

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی

تحریر: صوبیدار لطیف اللہ

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کو موضوع سخن بنانے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلامی ریاست کی نوعیت کیا ہے؟ اس کے قیام کے کیا مقاصد ہیں؟ نیز ایک اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست میں بنیادی فرق کیا ہے؟ ان پہلوؤں کو واضح کرنے کے بعد ایک اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کو واضح کرنے میں کوئی دقت اور دشواری پیش نہیں آئے گی۔

اسلامی ریاست کی نوعیت۔ اصولی اور نظریاتی ریاست

اسلامی ریاست ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد نہ نسل پر ہے اور نہ رنگ پر ہے۔ نہ زبان پر ہے اور نہ ہی وطن پر، نہ محض معاشی مفاد کا اشتراک اس کی اساس ہے اور نہ محض سیاسی الحاق۔ اس ریاست کی اصل بنیاد یہ ہے کہ اسلامی نظریہ حیات کی علمبردار، اس کی تابع اور اس کو قائم کرنے والی ہے۔

اسلامی نظریہ حیات کیا ہے:

اسلام ایک طرف بنیادی عقائد کی شکل میں زندگی کی حقیقتوں سے انسان کو روشناس کراتا ہے اور کائنات و حیات کے بارے میں اسے صحیح زاویہ نظر عطا کرتا ہے تو دوسری طرف اسلام زندگی کا مفصل قانون پیش کرتا ہے تاکہ انسان افراط اور تفریط سے بچ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اعتدال و توازن کی بنیادوں پر استوار کرے اور کامیاب و کامران رہے۔ عقائد اور ضابطہ عمل کے اس مجموعے کا نام اسلامی نظریہ حیات ہے اور علوم عمرانی کی اصطلاح میں عقائد اور ضابطہ عمل کے اس مجموعے کو آئیڈیالوجی کہا جاتا ہے۔ جدید عمرانی لٹریچر میں یہ لفظ ایک ایسے ضابطہ فکر و عمل اور اجتماعی پروگرام کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جو اپنی فکری اور فلسفیانہ بنیادیں رکھتا ہو اور سیاست و تمدن و معاشرت کیلئے بھی ایک واضح لائحہ عمل پیش کرتا ہو، لغت فلسفہ میں ڈاکٹر جارج بواس اس کی یہ تعریف

کرتے ہیں:

"عام نظریات کا کوئی ضابطہ یا کوئی ایسا پروگرام جس کی اساس فکر و فلسفہ پر ہو"

اسی طرح مشہور ماہر لسانیات و میمبٹر اس کی یہ تعریف کرتا ہے:

"کسی تہذیبی، سیاسی یا معاشرتی تحریک کے عام منصوبے یا لائحہ عمل کا عملی

بیان" (۱)

اسلامی ریاست کا مقصد

بر ریاست کی طرح اسلامی ریاست کے لئے بھی ایک متعین علاقہ اور آبادی ہونا ضروری ہے اور اس سر زمین کی حفاظت اور اس کے رہنے والوں کی فلاح و بہبود ہر لمحہ اس کے سامنے رہتی ہے لیکن اسلامی ریاست کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہے اور ایک ایسے اصول کی داعی ہے جو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذین ان ممکنہم فی الارض اقاموا الصلوة واتوا الزکوة وامروا بالمعروف
ونہو عن المنکر. ولتہ عاقبة الامور (۲)

یہ مسلمان وہ ہیں کہ اگر ہم نے انہیں زمین میں صاحب اقتدار کر دیا تو وہ نماز قائم کریں گے۔
ادائے زکوٰۃ میں سرگرم رہیں گے۔ نیکیوں کا حکم دیں گے۔ برائیوں سے روکیں گے
اور تمام باتوں کا انجام کار خدا کے ہاتھ میں ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

لقد ارسلنا رسلنا بالبینت وانزلنا معهم الکتاب والمیزان ليقوم الناس
بالقسط وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس ولیعلم اللہ من
ینصرہ ورسلہ بالغیب (۳)

"ہم نے اپنے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان
(عدل) اتاری تاکہ انسان انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے اتار لوہا (ریاست کی قوت
وجبروت) جس میں سخت خطرہ ہے اور لوگوں کے لئے بہت فوائد بھی ہیں تاکہ اللہ جان لے
کہ کون اس (کے دین) کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے۔

ان قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ریاست کا مقصد دین کو قائم کرنا،

خدا کی کتاب کے مطابق انصاف قائم کرنا، نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے۔ یہ ریاست ایک نظریاتی اصولی اور مقصدی ریاست ہے اور اس کی اصل ذمہ داری اس اصول کی سر بلندی ہے جسے قائم کرنے کیلئے یہ وجود میں لائی جاتی ہے۔

اسلامی ریاست کے عناصر ترکیبی

اسلامی ریاست کے عناصر ترکیبی کی تفصیل قرآن مجید کی سورۃ الحدید میں موجود ہے۔ جس کو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ یعنی خدا کی کتاب، میزان عدل اور قوت نافذہ۔ یہ ہیں اسلامی ریاست کے عناصر ترکیبی یا اقنوم ثلاثہ۔ ان میں سے ایک کی بھی کمی ہو جائے تو وہ ریاست اسلامی نہیں رہتی۔

اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست میں امتیاز

اسلامی ریاست اور سیکولر ریاست میں فرق یہ ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں مملکت کا تمام کاروبار خدا کی کتاب قرآن مجید کی حدود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پاتا ہے ان حدود سے تجاوز کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہوتا لہذا اسلامی ریاست احکام خداوندی کے نافذ کرنے کی ایجنسی ہوتی ہے اس کے برعکس جس نظام حکومت میں قانون سازی کا حق انسانوں کو حاصل ہو وہ نظام سیکولر ہے خواہ اس کی شکل کوئی بھی کیوں نہ ہو یہی کفر و اسلام کا امتیازی خط ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

ومن لم يحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکفرون (۴)

اور جو لوگ کتاب خداوندی کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے پس انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست کا ضابطہ آئین خدا کی کتاب قرآن مجید ہے جیسا کہ درج بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے اس کتاب کے علاوہ کسی کا اتباع جائز نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء
قلیلا ما تذکرون (۵)

اے جماعت مومنین تم اسی ضابطہ قوانین (قرآن مجید) کا اتباع کرو جسے تمہارے رب نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اس کے سوا کسی کارساز و رفیق کار کا اتباع مت کرو لیکن بہت تھوڑے ہیں جو اس عظیم حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

اسلامی ریاست میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ان الحكم الله لئه (۶)

حکم اللہ کے سوا کسی کیلئے نہیں

يقولون هل لنا من الامر من شئ . قل ان الامر كله لله (۷)

وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

اللہ کی سیاسی اور قانونی حاکمیت کا یہ تصور اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست میں خط امتیاز کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ تمام فقہانے اسلام اس پر متفق ہیں کہ حکم دینے کا حق اللہ کیلئے خاص ہے۔ چنانچہ علامہ آمدی اصول فقہ کی مشہور کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" میں لکھتے ہیں:

اعلم انه لا حاکم سوى الله ولا حاکم الا ما حاکم به (۸)

جان لو کہ حاکم اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور حکم بس وہ ہے جو اللہ نے دیا ہے۔

شیخ محمد خضریٰ اپنی اصول الفقہ میں اس کو تمام اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ قرار دیتے

ہیں۔

ان الحكم هو خطاب الله فلا حاکم الا الله وهذه قفيلة اتفق عليها

المسلمون قاطبة (۹)

در حقیقت حکم اللہ کے فرمان کو کہتے ہیں۔ پس حکم دینے کا حق اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے

اور یہ ایک ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہیں۔

اس لحاظ سے اسلامی ریاست ایک لادینی قومی ریاست سے بنیادی طور پر مختلف

ہے۔ لادینی ریاست وہ ریاست ہے جو اپنے معاملات کو مذہب اور الہامی ہدایت پر مبنی کرنے

کے بجائے محض عقل و مصلحت سے اپنا کام چلاتی ہے اور کسی بالاتر قانون کی پابند نہیں ہوتی

۔ ایسی ریاست مذہب کے معاملے میں غیر جانبدار بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی معاملات میں

اس کی مخالف بھی ایسی ریاست اسلام کی بالکل ضد ہے (۱۰)

اسلامی ریاست ایک خالص قومی ریاست سے بھی مختلف ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد

محض قوم پر نہیں نظریہ اور اصول پر ہے۔ اور پھر خود اس کا تصور قومیت بھی دوسروں سے

مختلف ہے۔ اسلام ایک بالکل نئی طرز کی قومیت۔ نظریاتی قومیت کا تصور پیش کرتا ہے۔ اور اسلامی ریاست اس نئے تصور کی علم بردار ہوتی ہے۔ اس ریاست کیلئے جغرافیائی حدود تو ناگزیر ہیں لیکن اس کی اصل دعوت یہ ہے کہ انسانیت، رنگ، نسل، زبان اور محدود وطنیت کی مصنوعی پابندیوں کو توڑ کر ایک نظریاتی قومیت اختیار کرے اور اسی بنیاد پر ایک عالمگیر ریاست قائم کرے جب تک یہ نصب العین حاصل ہو جغرافیائی خد بندیوں کو گوارا کرنا ہوگا لیکن پوری امت کی وحدت یا کم از کم اس کی ایک دولت مشترکہ کا قیام ایسی ریاست کے پیش نظر رہے گا۔ اس طرح یہ ان ریاستوں سے بھی مختلف ہوگی جو محض جغرافیائی قومیت پر مبنی ہیں اور جن کے پاس کوئی نظریہ اور دعوت نہیں (۱۱)

اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست میں فرق و امتیاز کی وضاحت ہے یہ بات مکمل آشکارا ہو جاتی ہے کہ اسلامی ریاست دوسرے ممالک اور اقوام سے تعلقات اسلام کے سنہری اصولوں اور ضابطوں کے مطابق پروان چڑھاتی ہے۔ وہ اپنی خارجہ پالیسی کو مذہب اور الہامی ہدایت کی روشنی میں متشکل کرتی ہے جبکہ ایک سیکولر اور غیر اسلامی ریاست اپنی خارجہ پالیسی کو خواہشات اور عقل و مصلحت کے تابع رکھتی ہے جس کے نتیجے میں امن عالم کا قیام، انسانی حقوق کی حفاظت اور بین الاقوامی تعلقات کو فروغ دینے کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اسلامی ریاست کی نوعیت اور اس کے قیام کا مقصد اور غرض و غایت واضح ہو جانے اور ایک اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست میں امتیاز کرنے کے بعد وضاحت طلب امر یہ ہے کہ خارجہ پالیسی کے کھتے میں اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟

خارجہ پالیسی کا مفہوم اور اس کے مقاصد

انسان ایک معاشرتی حیوان ہے مشترکہ مقاصد کی تکمیل کیلئے اتحاد و اشتراک اس کی ایک اہم ضرورت ہے جس طرح ایک فرد دوسرے افراد کے ساتھ تعلقات رکھنے پر مجبور ہے اسی طرح ریاستیں بھی آپس میں تعلقات قائم رکھتی ہیں۔ ریاست افراد پر مشتمل ہوتی ہے اور ریاستوں کے مابین تعلقات افراد کے مابین تعلقات کا دوسرا نام ہے لیکن ان تعلقات کی نوعیت مختلف اور پیچیدہ ہوتی ہے۔ بین الاقوامی امور کو عام طور پر خارجہ امور ہی خیال کیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ اقوام کے مابین بھی تعلقات خالصتاً بین الاقوامی نوعیت کے حامل

ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی امور گروہوں گروہوں اور افراد اور افراد کے مابین تعلقات میں جو لازماً بین الاقوامی معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں جبکہ بین الاقوامی تعلقات طاقتوں کے درمیان تعلقات کا نام ہے۔ ان تعلقات کا تعین خارجہ پالیسی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ خارجہ پالیسی کیا ہے؟ وہ کون سے مقاصد میں جو اقوام ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات میں تلاش کرتی ہیں۔ کسی ریاست کی خارجہ پالیسی کی تشکیل و تدوین میں کن عناصر کا عمل دخل نمایاں ہوتا ہے اور ایک ریاست کن بنیادوں پر دوسری ریاست کے ساتھ تعلقات قائم کرتی ہے یہ وہ پہلو ہیں جن پر روشنی ڈالنے بغیر کسی ریاست کی خارجہ پالیسی کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

خارجہ پالیسی سے مراد کسی ملک کے ہمسایہ اور دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات قائم کرنا اور انہیں فروغ دینا ہے۔ کسی ریاست کی خارجہ پالیسی اس کی تاریخ، جغرافیہ، محل وقوع، سیاسیات اور اس کے قومی مفاد کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہے۔ خارجہ پالیسی ریاست کے مجموعی احوال اور بنیادی فلسفے سے جدا نہیں ہوتی۔ جب مجموعی حالات میں تبدیلی رونما ہوتی ہے تو لازماً اس کے اثرات خارجہ سیاسیات پر بھی پڑتے ہیں اور متعلقہ ریاست کو اس کے مطابق اپنی خارجہ پالیسی تبدیل کرنا پڑتی ہے۔

خارجہ پالیسی کوئی حسابی کلیہ تو ہے نہیں کہ جس کے استعمال سے تمام مقاصد حاصل کر لئے جائیں بلکہ یہ ایک نہایت ہی پیچیدہ فن ہے یہی وجہ ہے کہ کسی ملک کی خارجہ پالیسی ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی بلکہ گرد و نواح میں رونما ہونے والے حالات و واقعات اور تجربات کے ساتھ ساتھ متعلقہ ریاست کی خارجہ پالیسی تبدیل ہوتی رہتی ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس ملک کے بنیادی نظریات اور مفادات تبدیل نہیں ہوتے۔ (۱۲)

کسی ملک کی خارجہ پالیسی اس کے ضمیر کی عکاس اور عزائم کی آئینہ دار ہوتی ہے تو میں واضح اور مستحکم اصولوں کے سہارے اقوام عالم میں عزت اور وقعت پاتی ہیں۔ خارجہ پالیسی کے اہم مقاصد میں ملکی سرحدوں کا تحفظ، علاقائی امن، اقتصادی بہبود اور دوسری ریاستوں کے ساتھ ایسے روابط کا قیام شامل ہوتا ہے جو مصلحتوں کے تابع نہ ہوں بلکہ اصولوں کے پابند ہوں۔ خارجہ پالیسی جذبات سے طے نہیں ہوتی بلکہ یہ ان مسائل سے تعلق رکھتی ہے جو کسی قوم کی ضروریات، اس کی مصلحتوں اور ان حقیقتوں سے حل ہوتے ہیں جو انہیں درپیش ہوتے ہیں (۱۳)

خارج پالیسی ریاست کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے اور اس کی سالمیت کو برقرار رکھنے کیلئے تشکیل دی جاتی ہے۔ یہ قومی وقار بلند کرتی ہے۔ معیشت کے مفادات کو فروغ دیتی ہے اور ضرورت پڑنے پر جنگ کے لئے تیار رہنے کے لئے ذرائع تیار کرتی ہے۔ آج کی دنیا میں بین الاقوامی تعلقات زیادہ تر معاشی عوامل کے بھی تابع ہوتے ہیں۔ کمزور ریاستیں مستحکم معاشی ریاستوں کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک کرنا چاہتی ہیں۔ صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ ریاستیں اس کوشش میں رہتی ہیں کہ وہ اپنی مخصوص منڈیاں تلاش کریں جہاں ان کے مال کی کھچت ہو سکے۔

دیگر عناصر کے علاوہ مذہب ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسلام ایک نظریاتی ریاست قائم کرتا ہے۔ جو رنگ، نسل، خاندان، قبیلہ زبان یا جغرافیائی عصبیتوں کے بجائے صرف اصول کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کے بانی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان تمام عصبیتوں کو ختم کرنے کیلئے جہاد کیا اور انسان ہونے کی حیثیت سے تمام بنی آدم کو یکساں قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

ان اللہ قد اذهب عنکم عصبیة الجاہلیة و فخرها بالاباء انما هو مومن تقی او فاجر شقی الناس کلہم بنو آدم و آدم من تراب (۱۴)

اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جاہلیت کی نخوت اور آباء و اجداد پر فخر کرنے کی علت کو خارج کر دیا ہے۔ اب یا تو مستحق مومن ہے یا فاجر بد بخت بد کار۔ تمام آدمی آدم کے بیٹے ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

خاتم المرسلین ﷺ نے اپنے تاریخی خطبہ حجة الوداع میں نسل، وطن، زبان اور رنگ کی تفریق کو یہ کہہ کر مٹایا:

ایہا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لا حمر علی اسود ولا لا سود علی احمر الا بتقوی (۱۵)

اے لوگو! خبردار تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے خبردار عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ اسلام نے رنگ، نسل، وطن، زبان معیشت و سیاست کی غیر عقلی تفریقوں کو مٹا کر

خاص عقلی بنیادوں پر ایک نئی قومیت کی تعمیر کی۔ اس قومیت کی بناء بھی امتیاز پر تھی مگر مادی اور ارضی امتیاز پر نہیں بلکہ روحانی اور جوہری امتیاز پر۔ اس نے انسان کے سامنے ایک فطری صداقت پیش کی جس کا نام اسلام ہے۔ اس نے خدا کی بندگی و اطاعت، نفس کی پاکیزگی و طہارت، عمل کی نیکی اور پرہیزگاری کی طرف ساری نوع انسانی کو دعوت دی پھر کہہ دیا کہ جو اس دعوت کو قبول کرے وہ ایک قوم سے ہے اور جو اس کو رد کرے وہ دوسری قوم سے ہے۔ ان دونوں قوموں کے درمیان بنائے امتیاز نسل اور نسب نہیں اعتقاد اور عمل ہے۔ اس طرح اسلام نے قومیت کا جو دائرہ کھینچا ہے وہ کوئی جسی اور مادی دائرہ نہیں بلکہ خالص عقلی دائرہ ہے اس دائرے کا محیط ایک کلمہ ہے اس کلمہ پر دوستی بھی ہے اور دشمنی بھی۔ اسی کا اقرار جمع کرتا ہے اور اسی کا انکار جدا کرتا ہے۔

اس بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں ملت اسلامیہ کی وحدت ایک بنیادی اصول ہے اور اگر حالات کی مجبوری کی وجہ سے ملت بہت سے ممالک میں بٹی ہوئی ہو تب بھی ہر ملک کو خالص وطنی قومیت کے مقابلے میں اسلام کی نظریاتی قومیت کو بنیاد بنانا چاہیے۔ عصر حاضر میں مملکت پاکستان کا وجود اسلامی قومیت کا مظہر ہے۔ یہ ملک خالص نظریاتی بنیادوں پر قائم ہوا اور ہندوستان کے مسلمانوں نے اس کے قیام کیلئے جدوجہد کی۔ یہ نہ ایک جغرافیائی وحدت ہے نہ اس میں ایک زبان ہے۔ نہ اس کے رہنے والوں کی نسل ایک ہے آرو نہ ان کا رنگ ایک سا ہے۔ جس چیز نے ان کو جوڑ کر ایک وحدت بنا دیا ہے وہ ان کا دین و ایمان اور ان کا نظریہ حیات ہے جسے غالب کرنے کیلئے انہوں نے ایک ملک قائم کیا ہے۔

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول

ایک اصولی اور نظریاتی ریاست جس طرح داخلی امور کو نبھانے اور سلجھانے میں اپنے اصول اور نظریات کی پابند ہے اسی طرح وہ خارجی امور میں بھی اپنے بنیادی اصول و ضوابط اور تصورات و نظریات پر کاربند رہنے کی پابند ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک ایسی ریاست جو اسلامی نظریے کی بنا پر قائم ہوئی ہو اور جس کا وجود اسلامی قومیت کا مظہر ہو وہ خارجی معاملات کو نبھانے اور سلجھانے میں اسلامی نظریات و ضوابط سے ہدایت و

رہنمائی حاصل کرتی ہے اور وہ کبھی بھی اسلام کے جلیل نظریات و ضوابط اور اس کے حسین و جمیل افکار و خیالات سے انحراف نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اسلامی ریاست کے اولین معمار اور سیاست خارجہ کے عظیم مدبر و تجربہ کار عرب و عجم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اسلام کے ان ہی سنہری اصولوں کی روشنی میں سیاسیات عالم میں خارجی امور کو سلجھانے میں نہایت قلیل عرصہ میں وہ فقید المثل کامیابی حاصل کی جس پر ہر ذی عقل شخص آپ ﷺ کی سیاست خارجہ میں مہارت تامہ کا معترف ہے۔

سیاست خارجہ کے عظیم مدبر کی فقید المثل کامیابیوں کا اجمالی جائزہ رسول اکرم ﷺ نے جس وقت ریاست مدینہ کی بنیاد رکھی تو آپ ﷺ نے امور خارجہ میں قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق آزادانہ خارجہ پالیسی اپنائی۔ چنانچہ قرآن مجید میں براہ راست نبی اکرم ﷺ کو مخاطب فرما کر ارشاد ہوا:

ياايهاالنبي اتق الله ولا تطع الكافرين والمنافقين ان الله كان عليما
حكيماً (۱۶)

(اے نبی اللہ سے ڈریں اور کافروں اور منافقوں کے کہنے پر نہ چلیں بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے)

پھر دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

ولا تطع الكافرين والمنافقين ودع اذهم وتوكل على الله وكفى بالله
وكيلاً (۱۷)

(اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا اور نہ ان کے تکلیف دینے پر نظر کرنا اور اللہ پر بھروسہ رکھنا اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔)

حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنی خارجہ حکمت عملی میں قرآنی اصول کو اپنا کر امت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے بنیادی نکتہ یہ فراہم کیا کہ انہیں اپنی خارجہ حکمت عملی میں کافروں اور دشمنوں کا حکم نہ ماننا چاہیے اگرچہ انہیں یہ بھی خوف ہو کہ حکم نہ ماننے کی صورت میں کفار ان کو تکلیف پہنچائیں گے ایسے موقع پر اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ اگر اللہ پر پورا پورا بھروسہ ہو تو دشمن کسی طرح بھی تکلیف پہنچانے پر قادر نہیں ہو سکتے۔

آج دنیا بھر کے مسلم ملکوں پر یہی کچھ گزر رہی ہے۔ ان میں سے بعض مدد کے لئے کسی ایک ملک کی طرف دیکھتے ہیں تو بعض کسی دوسرے ملک کی طرف۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کافروں کی اطاعت گزاری کرتے کرتے آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اس تمام صورت حال کی بنیادی وجہ صرف ایک ہی ہے کہ مسلمان اپنے خارجی معاملات میں قرآن سے رہنمائی حاصل نہیں کرتے۔ وہ دوسرے ممالک کی طرف صرف اس لئے دیکھتے ہیں کہ مسلم ممالک میں کوئی ملک بھی آج تک اس قابل نہیں ہوا کہ اسلحہ سازی کی جدید ٹیکنالوجی پر دسترس حاصل کر سکے جبکہ اپنی سلامتی کو قائم رکھنے کے لئے ہر ملک کو اسلحہ کی ضرورت ہے۔ اسلحہ بنانے والے ملک انہیں بہت مہنگے داموں اسلحہ دیتے ہیں مگر اسلحہ سازی کا فن نہیں سکھاتے۔ مسلم ممالک کو یہ جان لینا چاہیے کہ دوسرے ممالک سے اسلحہ خرید کر وہ کبھی طاقتور نہیں ہو سکتے۔ طاقتور ہونے کی ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ مسلم ممالک اپنے وسائل کو مجتمع کریں اور امداد باہمی کے اصول پر مختلف اسلامی ملکوں میں اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کریں۔ سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کے حصول کے لئے جتنا سرمایہ خرچ ہو اس کے خرچ میں دریغ نہ کریں ایک دوسرے پر اعتماد کرنا سیکھیں اور ایک دوسرے کے اعتماد سے فائدہ اٹھائیں۔

مہاجرین و انصار اور یہود کا تاریخی معاہدہ اور رسول عربی ﷺ

کی پہلی خارجہ کامیابی

حضور اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ کو ہجرت کر کے آئے تو قریش مکہ کے مظالم اپنی انتہا تک پہنچ چکے تھے۔ آپ ﷺ اور جماعت مومنین کو قریش مکہ سے جارحانہ خطرات کا اندیشہ لاحق تھا۔ قریش کے جارحانہ عزائم کو ناکام بنانے کیلئے ضروری تھا کہ مسلمان یہود مدینہ اور دوسرے قبائل سے محفوظ و مامون رہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس خطے میں رہنے والی تمام اقوام کی فیڈریشن (وفاق) بنانے کیلئے یہودیوں اور دوسرے غیر ملکی قبائل سے معاہدہ کر لیا جسے یشاق مدینہ کے نام سے موسوم کیا گی۔ یہ معاہدہ طرفین کی رفاہیت اور حقوق کی نگہبانی میں جامعیت کے اعتبار سے تاریخ کا اہم ترین باب ہے۔ یہ معاہدہ حضور اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور خارجہ امور میں مہارت کا مکمل کامنہ بولتا ثبوت ہے۔ اس دستاویز کی چند

جزئیات پیش کی جاتی ہیں۔

هذا كتاب من محمد النبي صلى الله عليه وسلم بين المؤمنين والمسلمين من قريش وشرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهدتهم انهم امة واحدة من دون الناس (۱۸)

یہ دستاویز محمد ﷺ کی طرف سے ہے جو نبی ہیں۔ قریش اور اہل یثرب میں سے ایمانداروں اور اطاعت گزاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں دوسرے تمام لوگوں کے بالمقابل وہ ایک امت (سیاسی وحدت) ہوں گے۔

مدینہ منورہ کو نہ صرف وفاق کی حیثیت حاصل تھی بلکہ اسے مقدس صدر مقام کا درجہ بھی حاصل ہو گیا۔

وان يثرب حرام جوفها لاهل هذه الصحيفة (۱۹)

یثرب کا میدان اس دستاویز کو ماننے والوں کے نزدیک مقدس و محترم ہو گا۔ اس معاہدے کی سب سے بڑی حکمت یہ تھی کہ یہود مدینہ اور ارد گرد کے قبائل نے حضور ﷺ کی سیادت و قیادت کو تسلیم کر لیا۔ مورخ ابن حشام لکھتے ہیں:

وانه ما كان بين اهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار يخاف فساده فان مرده الى الله عزوجل والى محمد صلى الله عليه وسلم وان الله على اتقى ما فى هذه الصحيفة وابره (۲۰)

اس نوشتے کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جس پر فساد رونما ہونے کا ڈر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس نوشتے میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو اس پر زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفاداری پسند ہے۔

صلح حدیبیہ میں بعض حکمتوں کا بیان

صلح حدیبیہ کی شرائط بظاہر مسلمانوں کیلئے بہتک آسہیز معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ خارجہ تعلقات کی تاریخ میں اس سے افضل نمونہ ملنا دشوار ہے۔ یہ معاہدہ حضور ﷺ کی بے نظیر ذکاوت کا آئینہ دار ہے اگرچہ آپ ﷺ کے ساتھ جانثار صحابہ کی جماعت تھی لیکن قریش ابھی تک طاقتور تھے۔ اگر اس وقت آپ ﷺ جذبات سے کام لیتے ہوئے فاتحانہ طور

پر مکہ میں داخل ہونے کیلئے عملی اقدام کرتے تو زبردست خونریزی ہوتی۔ علاوہ ازیں قریش کو عرب قبائل پر یہ ثابت کرنے کا بہانہ مل جاتا کہ مسلمان حرمت والے دنوں میں بھی لڑائی سے باز نہیں آتے۔ اس طرح خونریزی کا ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا جو آپ ﷺ کے رحمت للعالمین ہونے کے منافی ہوتا۔ علامہ ابن قیم صلح حدیبیہ کی حکمتوں میں سے بعض حکمتیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمنها انها كانت مقدمة بين يدي الفتح الاعظم الذي اعزبه رسوله وجنده ودخل الناس به في دين الله افواجا فكانت هذه الهدنة بابا له ومفتاحا ومؤذنا بين يديه وهذه عادة الله سبحانه في الامور العظام التي يقضيتها قدرا وشرعا ان يوطي لها بين يديها مقدمات وتوطئات تؤذن بها وتدل عليها (۲۱)

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ معاہدہ فتح عظیم کا مقدمہ بنا جس سے اللہ نے اپنے رسول اور لشکر کو عزت بخشی اور لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہوئے گویا یہ واقعہ اس مبارک امر کا دروازہ اور چابی تھا اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جمید ہے کہ جو بھی عظیم اور بڑا کام کرتا ہے تو اس کیلئے پہلے مقدمات اور تمہید قائم فرماتا ہے جو اس کا سبب بنتی اور اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

امام موصوف مزید لکھتے ہیں:

ومنها ان هذه الهدنة كانت من اعظم الفتوح . فان الناس امن بعضهم بعضا واختلط المسلمون بالكفار ونادوهم بالدعوة واسمعوهم القرآن وناظروهم على الاسلام جهرة آمين وظهر من كان مختفيا بالاسلام ودخل فيه في مدة الهدنة من شاء الله ان يدخل ولهذاسماه الله فتحا مبينا. (۲۲)

نیز یہ معاہدہ سب سے بڑی فتح تھی کیونکہ لوگوں نے ایک دوسرے کو امان دے دی اور مسلمان اور کفار آپس میں ملنے لگے۔ انہیں اسلام اور قرآن کی دعوت دینے لگے اور اسلام کے متعلق اعلانیہ مناظرے شروع ہو گئے اور مخفی طور پر بھی جو مسلمان تھا وہ بھی ظاہر ہو گیا اور اس مدت میں جس نے چاہا وہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے فتح میں کا نام دیا۔

رسالت ماب ﷺ کے دور مسعود کے جن دو معاہدوں کا یہاں اجمالی ذکر کیا گیا ہے ان کو نہ صرف تاریخ اسلام میں اہمیت حاصل ہے بلکہ یورپین مورخین نے بھی ان کو دنیا کی قدیم ترین دستوری دستاویز تسلیم کیا ہے۔

یثاق مدینہ جن حالات میں یہود مدینہ سے کیا گیا تھا وہ ایسے حالات تھے جبکہ اسلامی ریاست کی مکمل داغ بیل بھی نہ ڈالی گئی تھی۔ یہود مدینہ اور وہاں کی مقامی آبادی اقتصادی لحاظ سے بھی مضبوط تھی۔ سودی نظام پوری آب و تاب کے ساتھ منجے گاڑھے ہوئے تھا۔ مدینہ میں ایک زراج کی کیفیت تھی۔ ہر طرف عام لاقانونیت کا راج تھا۔ مسلمان مہاجرین کی مالی حالت بھی مستحکم نہیں تھی اور انہیں قریش مکہ کی جارحانہ کاروائیوں کا بھی خطرہ درپیش تھا۔ اس یثاق نے مدینہ کو حرم قرار دیا اور حرم کی حدود میں رہنے والوں کو ایک جماعت قرار دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں سے ایک نیم عرب شہر کو حرم منوالینا آنحضرت ﷺ کا ایک سیاسی کارنامہ تھا۔

یثاق مدینہ تو داخلی دشمن سے ہوا تھا لیکن صلح حدیبیہ کا معاہدہ ایک ایسی خارجی دشمن قوم سے ہوا تھا جو طویل عرصہ سے مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھا رہی تھی۔ اس کے باوجود حدیبیہ کے معاہدہ صلح کی ایک ایک جزو پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ امن و سلامتی کے کتنے زیادہ خواہش مند تھے اور جنگ سے آپ ﷺ نے اتنا گریز فرمایا کہ آپ ﷺ کے ساتھیوں نے اس معاہدہ کو ذلت سے تعبیر کیا اور بعد میں اس کو یہ تلافی کیلئے برابر صدقہ و خیرات کیا۔

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی میں ان دو معاہدوں کا ذکر کرنا اس لئے ضروری سمجھا کہ بین الاقوامی دنیا پر یہ حقیقت آشکارا کی جاسکے کہ دشمنوں کے ساتھ یا ایک پڑوسی ملک کے سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ نے کیا طرز عمل اختیار کیا۔ دوسرے یہ کہ ان دونوں معاہدوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے نزدیک اصل چیز امن و صلح ہے نہ کہ جنگ۔

نظریاتی ریاست کی خارجہ پالیسی کے اہم خدوخال

ایسی ریاست جو اسلامی نظریے کی بنا پر معرض وجود میں آئی ہو اور جس کا وجود اسلامی قومیت کا مظہر ہو اس کی خارجہ پالیسی بھی اسی نظریے کی مرہون منت ہوتی ہے۔ مملکت پاکستان بھی بنیادی طور پر ایک نظریاتی مملکت ہے اسلام کے اس نظریے کی بنیاد ہے چنانچہ پاکستان کی خارجہ پالیسی بھی اسی نظریے کی مرہون منت ہے۔ بانی پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناح نے اسی اسلامی نظریے کے تحفظ اور فروغ کیلئے اقوام عالم کو ایک پیغام بھی دیا ہے اور وہ یہ ہے۔ دوستی اور خیرگالی کا پیغام جس کا ذکر انہوں نے اپنی متعدد تقاریر میں بھی کیا ہے یہاں صرف چند اقتباسات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

”پاکستان کی خارجہ پالیسی کی کلید یہ ہوگی کہ دنیا کی تمام اقوام کے ساتھ انتہائی دوستانہ تعلقات۔۔۔ ہم پوری دنیا میں امن کے تمنائی ہیں۔ عالمی امن قائم کرنے کے لئے اپنی استطاعت اور توفیق کے مطابق اپنے حصے کا کردار خوش اسلوبی سے انجام دیں گے (پریس کانفرنس جولائی ۱۹۴۷ء)“

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں گلاب رائٹر کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے بانی پاکستان حضرت قائد اعظم نے فرمایا:

”پاکستان قائم رہنے کے لئے بنا ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا لیکن دو آزاد مساوی اور خود مختار مملکتوں کی حیثیت میں ہم بھارت سے دوستی یا معاہدہ کرنے پر ہمیشہ تیار ہیں جس طرح کہ ہم دنیا کے اور ملکوں سے معاہدے کر سکتے ہیں“

امریکی عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”ہماری خارجہ پالیسی کا اصل اصول تمام اقوام عالم کیلئے دوستی اور خیرگالی کا عملی جذبہ ہے۔ ہم دنیا کے کسی ملک یا قوم کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم قومی اور بین الاقوامی معاملات میں دیانت اور انصاف کے اصول پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم دنیا میں امن اور خوشحالی کے اضائف اور ترقی کیلئے اپنی جانب سے زیادہ سے زیادہ کردار انجام دینے کیلئے تیار ہیں۔ پاکستان دنیا کی مظلوم اور مچھلی ہوئی اقوام کو اخلاقی اور مادی امداد دینے سے کبھی نہیں ہچکچائے گا اور اقوام متحدہ کے منشور میں درج شدہ اصولوں کا حامی ہے۔ (۲۳)“

اسلامی نظریہ کی علمبردار اور اسلامی قومیت کے خمیر سے اٹھنے والی ریاست کی خارجہ پالیسی کے اہم خدوخال درج ذیل ہیں۔

دعوتِ اسلام اور شہادتِ حق کے فریضہ کی ادائیگی کا اہتمام

اسلام سے پہلے دنیا میں جو مذاہب آئے ان میں یہودیت اور عیسائیت زیادہ اہم ہیں۔ مرور زمانہ کے ساتھ یہ دونوں مذاہب افراط و تفریط کا شکار ہو گئے اور خود ساختہ نظریات پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ان کے پیروکار بھٹک چکے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو دینِ اسلام کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اہل دنیا کو راہِ راست پر لاسکیں۔

اسلام نے اپنے سے پہلے مذاہب کو جھٹلانے کی بجائے انہیں کھلے دل سے تسلیم کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں جن سربراہانِ مملکت کو خطوط لکھے ان میں اکثریت عیسائی حکمرانوں کی تھی۔ آپ ﷺ نے ان میں عیسائیت کی تردید کی بجائے اللہ کی وحدانیت کی تعلیم و تبلیغ کو نمایاں حیثیت دی کیونکہ اللہ کی وحدانیت کی تعلیم عیسائیت اور اسلام کی مشترکہ تعلیم کی آئینہ دار ہے جس کو قرآن مجید نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

قل يا اهل الكتب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً ارباب من دون الله (۲۴)

(اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئیے۔ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی ہم بندگی نہ کریں اور خدائی میں کسی کو اس کا شریک نہ قرار دیں اور ہم سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا رب نہ بنائے)

اللہ تعالیٰ نے ہادیِ امم حضور اقدس ﷺ کو نبوت و رسالت کے منصبِ جلیل پر فائز کر کے نہ صرف اہل عرب کو راہِ راست پر لانے کا مشن سونپا تھا بلکہ پوری نوعِ انسانی کو رشد و ہدایت کی منزل تک پہنچانے کا فریضہ سونپا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وما ارسلناك الا كافة للناس بشيراً و نذيراً (۲۵)

اور (اے نبی ﷺ) ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (۲۶)
 (اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجیئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں)

قرآن مجید کی شہادت کے ساتھ ساتھ رسالت ماب ﷺ نے آغاز نبوت میں اس حقیقت کا اظہار کر دیا تھا کہ آپ ﷺ کا پیغام اور تعلیم پوری انسانیت کے لئے ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

انی رسول اللہ الیکم خاصة والی الناس عامة (۲۷)
 میں نہ صرف عربوں کیلئے بلکہ انسانیت عامہ کے تمام افراد کیلئے خدا کا رسول ہوں ایک اور مقام پر فرمایا:

وکان النبی یبعث الی قومہ خاصة وبعثت الی الناس عامة (۲۸)
 پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کیلئے مبعوث ہوا ہوں)

قرآن وحدیث کے مذکورہ بالا ارشادات اس بات کے اٹل ثبوت ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پوری انسانیت کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ مشن سونپا کہ عرب و عجم کی انسانیت عامہ کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن کریں چنانچہ آپ ﷺ نے اس عظیم ذمہ داری کو نہایت جانفشانی و تندہی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آپ ﷺ کے اس جہان سے پردہ فرما جانے کے بعد اس فریضے کی ادائیگی امت مسلمہ پر لازم کر دی گئی ہے۔ پھر امت مسلمہ کی محافظ و نگہبان اسلامی ریاست اس فریضے سے کس طرح غافل رہ سکتی ہے۔ اس لحاظ سے ملت اسلامیہ اور اسلامی ریاست کی حیثیت پوری دنیا کے سامنے خدا کی شریعت کی علمبردار اور اس کے پیغام کے داعی کی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر
 واولئک ہم المفلحون (۲۹)

(اور تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے۔ ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔)

ابو جعفر باقر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی:
 ولتكن منكم امة يدعون الى الخير اور فرمایا الخیر اتباع القرآن
 وسنتی (۳۰)

قرآن اور میری سنت کا اتباع خیر ہے۔

ان تمام تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمان ایک بین الاقوامی جماعت کا نام ہے۔ دنیا کی ساری قوموں میں سے ان اشخاص کو چنانٹ کر نکالا گیا ہے جو ایک خاص اصول کو ماننے، ایک خاص پروگرام کو عمل میں لانے اور ایک خاص مشن کو انجام دینے کیلئے تیار ہوں۔ مسلمان کا مشن ایک عالمگیر مشن ہے۔ اور وہ مشن یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو فکر و عمل کا جو ضابطہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کو تمام دنیا میں پہنچا دیا جائے۔

چنانچہ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی میں سب سے اہم جو چیز ہے وہ دعوت اسلام کی تنظیم اور مبلغوں کا تیار کرنا ہے اور انہیں ان ملتوں اور امتوں میں پھیلا دینا ہے جن کا مذہب اسلام نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں استطاعت کے مطابق جملہ آسانیاں اور سہولتیں بہم پہنچانا لازمی ہے

برادر اسلامی ریاستوں کے اتحاد و تعاون اور یکجہتی کو فروغ دینا

دنیا میں جہاں جہاں بھی مسلمان ریاستیں قائم ہیں وہاں پر رہنے والے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور وہ سب امت واحدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان نسل و رنگ، قبائل و خاندان، زبان اور وطن کی بنیاد پر کوئی اختلاف و امتیاز نہیں کیونکہ اسلامی عقیدہ، اسلامی نظریہ حیات اور اسلامی شریعت نے ان کو رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

انما المؤمنون اخوة (۳۱)

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

مغرب کے غیر اسلامی نظریات نے امت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے جس سے یہ ملت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو کر اپنی وحدت کھو بیٹھی ہے اور دن بدن انتشار و افتراق بڑھ رہا ہے۔ امت مسلمہ کا اختلاف و افتراق کا شکار ہو جانا اس بات کا نتیجہ ہے

کہ ہم نے قرآن مجید اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے احکامات سے دوری پیدا کر لی۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے منحرف ہونے کے متعلق بڑے حکیمانہ انداز میں ہمیں خبردار کیا ہے:

خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطا ثم قال هذا سبيل الله يم خط
خطوطا عن يمينه وعن شماله وقال هذه سبل على كل سبيل منها شيطان
يدعوا اليه (۳۲)

حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے۔ پھر اس خط کے دائیں بائیں کسی لکریں کھینچیں اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں جن میں سے ہر راستہ پر شیطان بیٹھا ہے اور آدمی کو اس کی طرف بلاتا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:
وان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن
سبيله (۳۳)

اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اس کے راستے سے ہٹا کر متفرق کر دیں گے۔

ان متفرق راستوں نے امت کی وحدت اور اس کی قوت کو پارہ پارہ اور اس کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے جس سے نجات پانے کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم اس صاف شاہراہ کی طرف لوٹ آئیں جو ہمارے خالق کائنات نے ہمارے لئے مقرر فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا واذكرو نعمت الله عليكم اذ كنتم
اعداً فالق بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخواناً (۳۴)

اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ نے عالم اسلام کو اتحاد و تعاون اور یکجہتی میں رنگنے کی خاطر جو نسخہ تجویز کیا وہ ہماری تمام بیماریوں اور غموں کا مستقل مداوا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين (۳۵)

تم پر میری اور میرے نیک اور ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت پر عمل کرنا واجب ہے۔
قرآن و حدیث کے ان نصوص سے واضح ہوجاتا ہے کہ صرف شجر اسلام کے گھنے
سائے کے نیچے ہی قومی اور علاقائی عصبیتوں اور لسانی، نسلی اور گروہی امتیازات کا خاتمہ ممکن
ہے اور مسلم ریاستوں کے درمیان حائل رکاوٹوں کو دور کر کے باہمی اتحاد و تعاون اور محبت
واخوت کے رشتوں کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا جاسکتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے امت
مسلمہ کو اتحاد و اتفاق اور یکجہتی و یکانگت میں منسلک کرنے کی غرض سے کیسے حکیمانہ و فصیحانہ
اقوال ارشاد فرمائے ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
مثل المؤمنین فی توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكى منه
عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى (۳۶)

تو مسلمانوں کو آپس میں محبت رکھنے، رحم کرنے اور مہربانی کرنے میں ایسا پائے گا جیسا کہ
بدن ہے۔ جب بدن کا کوئی عضو دکھتا ہے تو سارے بدن کے اعضاء بیداری و بخار میں
شریک ہوجاتے ہیں۔

عن ابی موسی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن
للمؤمن كالبنیان یشد بعضہ بعضاً ثم شبک بین اصابعہ (۳۷)
حضرت ابو موسیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مسلمان مسلمان کیلئے مکان
کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے پھر آپ ﷺ نے ایک
ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے وضاحت فرمائی۔

قرآن و حدیث کے ان احکامات سے اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا جو اہم اصول
نکھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلم ریاستوں کے درمیان اتحاد و اتفاق، تعاون و یکجہتی اور
محبت و اخوت کے رشتوں کو مضبوط و مستحکم بنایا جائے اور زندگی کے مختلف شعبوں اور
میدانوں میں مسلمانوں کے درمیان تعاون کو فروغ دیا جائے۔

مسلم اقلیتوں کی حمایت و معاونت اور ان کو بنیادی حقوق دلانے کیلئے

جدوجہد کرنا

دنیا کے مختلف خطوں اور علاقوں میں بے شمار مسلم اقلتیں ایسی ہیں جن کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کیا گیا ہے۔ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں ہے ان کے اہل و عیال اور معصوم بچوں پر ظلم و بربریت کے پہاڑ ڈھائے جا رہے ہیں۔ انہیں اپنے عقائد کی پابندی، عبادات کی ادائیگی اور اپنے مذہبی شعائر کی اقامت کی آزادی سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ ان کے مذہبی احساسات و جذبات کو بری طرح مجروح اور کچلا جا رہا ہے۔ ان کے فکر و نظر اور عقل و شعور کو معطل کیا جا رہا ہے۔ ان کے قلب و ضمیر کو مردہ بنایا جا رہا ہے۔ چنانچہ یہ مسلم اقلتیں خواہ یورپ و افریقہ میں ہوں یا ایشیا میں یہ ہمارے وجود کا حصہ ہیں اور وہ ہماری معاونت اور حمایت و نصرت کے مستحق ہیں۔ ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ان کمزوروں اور مظلوموں کی ہر ممکن قوت کے ساتھ امداد کریں خواہ انہیں اعداء و اعیار کی سرکشی اور ظلم و تعدی سے نجات دلانے کیلئے فرمان خداوندی کے مطابق ہتھیار ہی کیوں نہ اٹھانا پڑیں۔

والمکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها. واجعل لنا من لدنک ولیا . واجعل لنا من لدنک نصیرا (۳۸)

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی ارہ میں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کیلئے جنگ نہیں کرتے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کسی کو حامی اور اپنی طرف سے کسی کو مددگار بنا۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ وضاحت کے ساتھ اس حمایت و اعانت کی ضرورت بیان کی گئی ہے اور اس طرح اس کی تاکید فرمائی گئی ہے:

ان الذین امنوا وهاجروا وجاهدوا باموالہم وانفسہم فی سبیل اللہ ولذین اووا ونصروا اولئک بعضہم اولیاء بعض. والذین امنوا ولم یهاجروا مالکم من ولایتہم من شنی حتی یهاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینہم میثاق . واللہ بما تعملون بصیر (۳۹)

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپانے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تولائے ہیں مگر دار الفکر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں نہیں آئے ان کی ولایت کا کوئی تعلق تم سے نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں البتہ اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے۔ سوائے اس صورت کے جبکہ وہ کسی ایسی قوم کے خلاف مدد مانگیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا ہے۔)

(قرآن مجید کا یہ حکم اسلام کے دستوری قانون کی ایک اہم دفعہ ہے اس میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے کہ ولایت کا تعلق صرف ان مسلمانوں کے درمیان ہوگا جو یا تو دار الاسلام کے باشندے ہوں یا اگر باہر سے آئیں تو ہجرت کر کے آجائیں۔ باقی رہے وہ مسلمان جو اسلامی ریاست کے حدود ارضی سے باہر ہوں تو ان کے ساتھ مذہبی اخوت تو ضرور قائم رہے گی لیکن ولایت کا تعلق نہ ہوگا اور اسی طرح ان مسلمانوں سے بھی یہ تعلق ولایت نہ رہے گا جو ہجرت کر کے نہ آئیں بلکہ دار الفکر کی رعایا ہونے کی حیثیت سے دار الاسلام میں آئیں۔

علاوہ ازیں یہ آیت اسلامی ریاست کی خارجی سیاست پر بھی بڑا اثر ڈالتی ہے۔ اس کی رو سے دولت اسلامیہ کی ذمہ داری ان مسلمانوں تک محدود ہے جو اس کی حدود کے اندر رہتے ہوں۔ باہر کے مسلمانوں کیلئے کسی ذمہ داری کا بار اس کے سر نہیں ہے یہی وہ بات ہے جو نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں فرمائی ہے کہ:

انا بری من کل مسلم بین ظہرائی المشرکین

میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت و حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو اس طرح اسلامی قانون نے اس جھگڑے کی جڑ کاٹ دی ہے جو بالعموم بین الاقوامی پیچیدگیوں کا سبب بنتا ہے کیونکہ جب کوئی حکومت اپنی حدود سے باہر رہنے والی بعض اقلیتوں کا ذمہ اپنے سر لیتی ہے تو اس کی وجہ سے ایسی الجھنیں پڑ جاتی ہیں جن کو بار بار کی لڑائیاں بھی نہیں سلجھا سکتیں۔

اوپر کے فقرے میں دار الاسلام سے باہر رہنے والے مسلمانوں کو سیاسی ولایت کے رشتہ سے خارج قرار دیا گیا ہے بعد کا فقرہ اس امر کی توضیح کرتا ہے کہ اس رشتہ سے خارج

ہونے کے باوجود دینی اخوت کے رشتہ سے خارج نہیں ہیں۔ (اگر کہیں ان پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ اسلامی برادری کے تعلق کی بنا پر دارالاسلام کی حکومت اور اس کے باشندوں سے مدد مانگیں تو ان کا فرض ہے کہ اپنے ان مظلوم بھائیوں کی مدد کا فریضہ اندھا دھند انجام نہیں دیا جائے گا۔ اگر ظلم کرنے والی قوم سے دارالاسلام کے معاہدہ تعلقات ہوں تو اس صورت میں مظلوم مسلمانوں کی کوئی ایسی مدد نہیں کی جاسکے گی جو ان تعلقات کی اخلاقی ذمہ داریوں کے خلاف پڑتی ہے۔) (۴۰)

امن عالم کا قیام

(اسلام امن عالم کا زبرست حامی ہے اور عداوت و فساد کا سخت مخالف ہے۔ جب دنیا سے عداوت و دشمنی اور فتنہ و فساد ختم ہو جائے تو حقیقی امن قائم ہو سکتا ہے اس لئے اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا اہم اصول اور مقصد امن عالم کا قیام ہے تاکہ امن قائم کر کے انسانی زندگی کو سکون و طمانیت سے مالالال کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں انسانی جان کا خون بہانا ایک عظیم گناہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس جميعا.
ومن احياها فكانما احيا الناس جميعاً. (۴۱)

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔)

(اسلام ایک مکمل اخلاقی و قانونی نظام زندگی ہے وہ ساری دنیا سے فتنہ و فساد کو مٹا کر ایک صلح معاشرتی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح دنیا سے فتنہ و فساد، ظلم و ظفیان اور سرکشوں اور فساد یوں کی سرکوبی کر کے بند گان خدا کو امن و اطمینان سے زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کرنا امت مسلمہ کا اعلیٰ نصب العین ہے۔ اس نصب العین کی خاطر اسلامی ریاست جہاد سے گریز نہیں کر سکتی لیکن اگر یہ مقصد اصلاح اور مصالحت کے ذریعے حاصل کرنے کی صورت میں پیدا ہو جائے تو اسلامی ریاست کو ہر وقت صلح و سلامتی کیلئے تیار رہنا چاہیے کیونکہ اسلام کا اصل نقطہ نظر تو صلح ہے اور جنگ کی اجازت کسی غیر معمولی نقصان سے بچنے کیلئے اور

کسی ناگزیر ضرورت اور مجبوری کے تحت دی گئی ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی میں ہر وقت امن کی روح قائم رہنی چاہیے۔ اسی لئے قرآن حکیم یہ حکم دیتا ہے کہ اگر سرکش اور فساوی تم سے خود صلح کی درخواست کریں تو صلح کیلئے بڑھنے والے ہاتھ کے جواب میں ہاتھ بڑھائیں تاکہ تمہاری اخلاقی برتری ثابت ہو۔ حضور اکرم ﷺ کو مخاطب فرما کر قرآن میں ارشاد ہوا۔

وان جنحواللسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ. انه هو السميع العليم. (۴۲)
اور اے نبی ﷺ اگر وہ صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کیلئے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔
حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا حرم حلالا او احل حراما والمسلمون علی شروطهم الا شرطا حرم حلالا او احل حراماً. (۴۳)
مسلمان کو صلح کرنا جائز ہے لیکن ایسی صلح نہیں جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنے کا باعث بنے اور مسلمانوں کو اپنی شرائط صلح کا پابند رہنا چاہیے البتہ ایسی شرط کی پابندی جائز نہیں جس کے ذریعے کسی حلال شے کو حرام اور حرام شے کو حلال قرار دیا گیا ہو۔
امن و صلح کے سلسلہ میں اسلام کے دامن کی وسعت کا اندازہ قبائلی عالمگیری سے کیا جاسکتا ہے۔

"اگر امام المسلمین کی رائے میں آیا کہ اہل حرب سے مصالحہ کرے یا بعض فریق اہل حرب سے مصالحہ کرے اور اس میں مسلمانوں کے حق میں بھلائی ہے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اگر امام المسلمین کی رائے میں آیا کہ اہل حرب سے موادہ کرے اور اس پر کچھ مال ان سے لے لے یعنی کچھ مال لے کر ان سے موادہ کر لے تو مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے کہ مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو اور اگر حاجت نہ ہو تو اس طرح موادت جائز نہیں ہے۔ اور جس قدر مال اس موادت سے لیا ہے وہ جزیہ کے مصارف کے طور پر صرف کیا جائے گا بشرطیکہ مسلمان مجاہدین نے ان کے ملک میں جا کر نزول کر کے اس طرح موادت سے مال نہ لیا ہو بلکہ اہل حرب نے اپنا ایلی بھیج کر اس طرح صلح کی درخواست کی ہو اور اگر مسلمانوں کے لشکر نے ان کو گھیرا اور انہوں نے مال دیکر صلح کر لی تو یہ مال غنیمت ہے اس

کا خمس نکال کر باقی کو باہم مسلمانوں میں تقسیم کر دے۔ اور اگر اہل حرب سے کسی ایک فریق مسلمانوں نے موادعت کر لی بدون اجازت امام کے تو موادعت جائز ہے اور یہ سب مسلمانوں پر جائز ہوگی یعنی کوئی اس کو توڑ نہیں سکتا اس واسطے کہ یہ امان ہے اور ایک کا امان دینا مثل سب کے امان دینے کے ہے۔ (۴۴)

مفتی محمد شفیع صاحب مصلحت بلا استعانت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مصلحت بلا استعانت جس کو فقہی اصطلاح میں موادعت بھی کہا جاتا ہے یہ اس وقت جائز ہے کہ صلح میں مسلمانوں کی مصلحت ہو اور مفاد اسلامی پیش نظر ہو اور شرائط صلح خلاف شرع نہ ہوں۔ (۴۵)

قرآن وحدیث اور فقہاء کی آراء سے امن و صلح کی حقیقی روح ابھر کر سامنے آجاتی ہے جس سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام عالمی امن کے قیام کیلئے بین الاقوامی تعلقات کو خراب اور بگڑنے کی بجائے مضبوط اور استوار بنیادوں پر مستحکم کرنے کا کتنا خواہش مند ہے۔

بین الاقوامی عدل کا قیام

(بین الاقوامی تعلقات کے قیام و بقا کا سارا انحصار عدل و انصاف کے ستون پر ہے۔ اسلام جس طرح ایک فرد کے ساتھ انصاف کا حکم دیتا ہے اسی طرح قومی، ملکی اور بین الملکی معاملات میں بھی قدم قدم پر اس کی نگرانی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنت الی اهلها وذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (۴۶)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

ایک اور جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین لثہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شان قوم علی الا تعدلوا. اعدلوا. ہوا قرب للتقوی. (۴۷)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ

خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

قرآن حکیم میں عدل کیلئے قسط کا لفظ استعمال ہوا ہے عدل کی ضد ظلم اور جور ہے جس کے معنی میں حد سے تجاوز کرنا۔ چنانچہ یہ طویل و عریض کائنات عدل کے بل بوتے پر قائم ہے اگر گردش زمین ایک سیکنڈ کیلئے بھی راہ اعتدال سے ہٹ جائے تو کرہ ارض تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔ اسلامی ریاست کے قیام کا بنیادی محور قیام عدل و انصاف ہے۔ (قرآن مجید کا ارشاد ہے:

شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة واولو العلم قائماً بالقسط. (۴۸)

اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور وہ لوگ بھی جو انصاف پر قائم ہیں گواہی دیتے ہیں۔

دوسروں کے ساتھ اسلام کے برتاؤ اور سلوک کا جائزہ بتاتا ہے کہ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں انصاف چاہتا ہے عدل و انصاف کی اس غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر ایک اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی بین الاقوامی عدل پر مبنی ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست دنیا کے محروم و کمزور افراد کی حمایت، ظلم و جور کی ستانی ہوتی قوموں اور بنیادی انسانی حقوق سے محروم گروہوں اور طبقوں کو عدل و انصاف اور ان کو اپنا جائز حق دلانے کی عملی جدوجہد کرتی ہے۔

عدل کا مفہوم اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے اس میں حقوق اللہ بھی آجاتے ہیں اور انسانی حقوق بھی کہ ہر صاحب حق کا پورا پورا حق ادا کیا جائے کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے اگر کوئی ظلم کرتا ہے تو اس کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کی حمایت کی جائے۔ اگر ظالم کو سزا دینے کیلئے گواہی کی ضرورت پڑے تو اس سے گزیر نہ کیا جائے۔ عدل میں یہ بھی داخل ہے کہ گواہی میں حق اور حقیقت کا اظہار کیا جائے۔

اسلام میں کمزوروں، محروموں اور مظلوموں کی حمایت اور ان کو عدل و انصاف دلانا کسی دنیاوی غرض و مفاد یا سستی شہرت حاصل کرنے کی بنا پر نہیں بلکہ یہ ایک اسلام کا بنیادی اصول ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے حضور بڑا انعام و اکرام ملتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ان المقسطین عند اللہ تعالیٰ علی منابر من نور عن یمین الرحمن الذین یعدلون فی حکمهم واهلیہم وما ولوا. (۴۹)

عدل و انصاف کرنے والے لوگ اللہ کے نزدیک نور کے ستونوں پر ہوں گے۔ خدا

کے دائیں جانب وہ اہل عدل جو اپنے حکم اور اہل خانہ کے معاملات اور جن چیزوں میں انہیں حکم کا اختیار ہے اس میں انصاف کرتے ہیں۔ !

(عہد نبوی ﷺ اور عہد خلفائے راشدین میں عدل و انصاف کے ہزارہا واقعات ملتے ہیں جس سے اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی میں عدل و انصاف کے اہتمام کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ایک بار حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے کسی قبطنی غلام کو مار رہے تھے کہ خلیفہ راشد عمر فاروقؓ کا گزرا دھر سے ہوا۔ آپؓ نے یہ منظر دیکھا تو بے چین ہو گئے اور فرمایا:

متی تعبدتم الناس قد ولدتمہم امہاتہم احرار۔ (۵۰)
تم نے ان کو کب سے غلام بنا لیا ہے حالانکہ وہ اپنی ماؤں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے ہیں۔

پھر آپ نے صرف اخلاقی ہدایت دے کر خاموشی نہیں اختیار کر لی بلکہ پورے مجمع میں ابن العاص کے صاحبزادے کو اسی قبطنی سے پٹوایا۔
یہ واقعہ ایک فرد کے ساتھ بے رحمی و بے انصافی کا تناگر آپؓ نے اس موقع پر جو ہدایت دی وہ ایک فرد اور گروہ کیلئے نہیں دی بلکہ بین الاقوامی تعلقات میں عدل و انصاف کی اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے تھی۔

بین الاقوامی تعلقات میں انتقام کی اسلامی پالیسی پر عمل پیرا ہونا:

بین الاقوامی تعلقات کو خراب کرنے میں انتقامی جذبے کا بڑا عمل دخل ہے۔ انتقامی جذبے کی موجودگی میں حالات کو پر امن بنانا بڑا دشوار امر ہے۔ چنانچہ بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں اسلام کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اگر کوئی قوم یا ریاست دوسری قوم یا ریاست پر ظلم و زیادتی کرتی ہے تو اس ظلم و زیادتی کا بدلہ لینا جائز ہے لیکن بدلہ اسی نوعیت کا ہونا چاہیے جتنا اس کا حق ہے اس کے علاوہ ذرہ بھر زیادتی جائز نہیں۔ قرآن مجید میں اس اصول کو یوں بیان کیا گیا ہے:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔ (۵۱)
پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وان عاقبتہم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ. ولئن صبرتم لہو خیر للصابرین.
(۵۲)

اور اگر تم کسی کو ایذا دو تو اتنی ہی دو جتنی تم کو دی گئی تھی اور اگر تم صبر کرو تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کیلئے صبر ہی بہتر ہے۔

قرآن کریم کی ان آیات مقدسہ سے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم اصول سامنے آتا ہے۔ یہ وہ اصول ہے جس کو آج ترقی یافتہ اقوام نے کمزوری کی علامت سمجھ رکھا ہے۔ ان کے نزدیک زیادتی کی مرتکب ریاست سے اس حد تک انتقام لینا چاہیے کہ جس سے اس ریاست کا وجود بحال رکھنا ناممکن ہو جائے۔ اس کے برعکس اسلام ہدایت دیتا ہے کہ اتنی زیادتی و ایذا دی جائے جتنی تم کو دی گئی ہے بلکہ حالات و واقعات کی نزاکت کو مد نظر رکھ کر زیادتی کی بجائے درگزر اور حسن سلوک کا طریقہ اختیار کیا جائے تو اور بہتر ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ. انہ لایحب الظلمین. (۵۳)

بدی کا بدلہ اسی کے مثل بدی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے کیونکہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام کے اسی اصول کو ہادی کونین حضرت محمد ﷺ نے نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ دلچسپ انداز میں بیان فرمایا ہے:

ما من عبد ظلم بمظلۃ فیغضی عنہا لئہ عزو جل الا اعز اللہ بما نصرہ. (۵۴)

جس بندہ پر ظلم کیا جائے اور وہ محض خدا کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے خاموش رہے اللہ تعالیٰ اس کی زبردست مدد کرتا ہے۔

ایک اور حدیث نبی ﷺ ہے:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال موسیٰ ابن عمران علیہ السلام یا رب من اعز عبادک عندک قال من اذا قدر غفر. (۵۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار تیرے بندوں میں سے کون تیرے نزدیک زیادہ عزیز ہے؟ خداوند تعالیٰ نے فرمایا وہ شخص کہ (انتقام کی) قدرت رکھنے پر بھی لوگوں کو معاف کر دے۔

قرآن وحدیث کے ان نصوص سے اسلامی ریاست کو بین الاقوامی تعلقات قائم کرنے اور معاملات نبھانے میں ایسی واضح ہدایت اور روش رہنمائی ملتی ہے جس کو مشعل راہ بنا کر وہ اقوام عالم میں ممتاز مقام حاصل کر سکتی ہے اور یہ وہ اصول ہے جس کی نظیر دور حاضر کی متمدن قوموں اور ریاستوں کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

۶۔ عالمی انسانی برادری کا پرچار

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم اصول جس سے وہ دوسری غیر اسلامی ریاستوں پر فوقیت و فضیلت رکھتی ہے یہ ہے کہ وہ ایک عالمی انسانی برادری کے قیام کی داعی ہے اور تمام اقوام عالم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتی ہے۔ اسلام وحدت نسل انسانی کا داعی ہے۔ نسل انسانی کی وحدت کا نظریہ وہ نظریہ ہے جس پر امن کی عمارت کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید نے اس اصول کو یوں بیان فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّمَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً. (۵۶)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا. (۵۷)

اور سب لوگ ایک ہی امت میں لیکن وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَأَنْ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (۵۸)

یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس تم مجھ ہی سے ڈرو۔

قرآن مجید کی یہ تمام آیات بینات وحدت نسل انسانی کے نظریہ کی علمبردار ہیں۔ پھر قرآن مجید کے معلم و مفسر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کس قدر فصیح انداز میں وحدت نسل انسانی کے نظریہ کی ترجمانی کی۔

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (۵۹)

حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی عیال سے زیادتی محبت کرتا ہے۔

قرآن وحدیث کے مندرجہ بالا نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام انسان کو ایک عالمگیر وحدت کے رشتہ میں پروتا ہے اور اسے ایک آکافی تصور کرتا ہے۔ وہ انسانیت میں عالمگیر بھائی چارہ کی اسپرٹ پروان چڑھاتا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کو فروغ دینے میں انسانی بھائی چارے کا اس سے زیادہ فطری موثر اور ہر خاص و عام کو اپیل کرنے والا کوئی دوسرا آفاقی تصور نہیں ہو سکتا۔

حق کی معاونت اور ظلم وعدوان سے اجتناب کی پالیسی پر عمل پیرا ہونا نظریاتی ریاست ہونے کی حیثیت سے اسلامی ریاست قومی اور بین الاقوامی معاملات میں حق کی پاسداری اور ظلم وجور سے اجتناب کی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کی پابند ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۶۰)

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اسلامی ریاست تمام بنی نوع انسان کی حقیقی خیر خواہ، ان کے مفاد کی محافظ اور ان کے حقوق کیلئے عملی جدوجہد پر پختہ یقین رکھتی ہے وہ اپنے اس اصولی موقف سے کبھی بھی انحراف نہیں کر سکتی چنانچہ حق کی صورت میں ہر ممکن تعاون اور جدوجہد اور ناحق کی صورت میں عدم تعاون اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا اہم اصول ہے۔ سیاست خارجہ کے اولین مدبر

و تجربہ کار نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خارجہ پالیسی کے اس اہم اصول کی وضاحت بڑے جامع، فصیح و بلیغ اور دلچسپ انداز میں فرمائی:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصُرْهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ انْصُرْهُ؟ فَقَالَ تَحْجِزْهُ أَوْ تَمْنَعْهُ مِنْ الظلم فان ذلك نصره (۶۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں تو جب کوئی مظلوم ہوتا ہے اس کی مدد کرتا ہوں لیکن جب کوئی شخص ظالم ہو تو فرمائیے کہ میں اس کی کس طرح مدد کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اس کو ظلم سے روک دے۔ یہی اس کی مدد ہے۔ اسلام حق کی پاسداری اور ناحق سے بیزاری کا درس دیتا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلَىٰ غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيرِ الَّذِي هُوَ فِيهِ يَنْزِعُ بَدْنُهُ. (۶۲)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص ناحق اپنی قوم کی مدد کرے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کنویں میں گر پڑا ہے اور اسے دم کے ساتھ کھینچنا جاتا ہے۔

عَنْ وَائِلَةَ بِنِ الْأَسْقَعِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْعَصِيَّةُ قَالَ إِنَّ تَعْيِينَ قَوْمِكَ عَلَى الظلم. (۶۳)

وائِلَةُ بِنِ الْأَسْقَعِ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ عصیت کیا ہے۔ فرمایا ظلم پر تو اپنی قوم کی مدد کرے۔

قرآن و حدیث کے ان نصوص سے اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا یہ روشن اصول نکھر کر سامنے آتا ہے کہ وہ حق کی صورت میں تعاون اور ناحق اور ظلم و زیادتی کی صورت میں عدم تعاون کی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کی شرعاً پابند ہے۔ وہ انسانیت عامہ کے مفاد اور فلاح و بہبود کیلئے معاون کا کردار ادا کرتی ہے اور بنی نوع انسان کے نقصان اور ظلم و جور کے خلاف فی المقدر و کوشش بروئے کار لا کر اس کے ازالہ کیلئے سرگرم عمل رہتی ہے۔

عہد و پیمانہ کی پاسداری

اسلام میں عہد و پیمانہ کی پابندی کی تاکید کی گئی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کو فروغ دینے میں آپس کے عہد و پیمانہ کا ایفاء کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ بجائی چارے اور محبت و ہمدردی کے جذبات کو پروان چڑھایا جاسکے۔ معاہدات کا احترام اور پابندی کرنے سے بدگمانی اور بے اعتمادی کی فضا جنم نہیں لے سکتی۔ سیاست خارجہ میں ہر ریاست کو دوسری ریاستوں سے مختلف النوع معاہدات و موافقت کرنے پڑتے ہیں جن پر بعد میں توثیق کی جاتی ہے۔ اسلام کا دامن توثیق معاہدات کے سلسلہ میں بڑا وسیع ہے۔ اس کے نزدیک اگر برسر پیکار قوم بھی صلح و مصالحت کیلئے درخواست کرے تو جب تک اس سے مسلمانوں کو کوئی شدید نقصان نہ ہو یا اس میں کوئی کھٹلا ہوا دھوکہ فریب نہ نظر آتا ہو اس قوت تک اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ البتہ توثیق معاہدات کے سلسلہ میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ اسلام کسی قوم یا گروہ سے کوئی ایسا معاہدہ کرنا جائز نہیں سمجھتا جو اسلام کی مبادیات پر اثر انداز ہوتا ہو۔ دوم یہ کہ فریقین آزادی و خود مختاری اور سکون قلب سے رضامند ہوں۔ سوم یہ کہ معاہدہ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ہو۔ ان اصول و شرائط کے تحت جو معاہدہ کیا جائے اس کی پابندی اسلامی ریاست پر محض اخلاقی لحاظ سے ہی ضروری نہیں بلکہ اس کیلئے وہ قانونی طور پر مجبور ہے کہ اس پر وہ اپنی داخلی اور خارجی پالیسی کی بنیاد رکھے۔ قرآن و حدیث میں اس کی بار بار سخت تاکید آئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (۶۴)

اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمانہ کو پورا کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (۶۵)

اور عہد کو پورا کیا کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ اللَّهَ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْإِيمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ

اللَّهُ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا: إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ. (۶۶)

اور اللہ کے عہد کو پورا کیا کرو جب بھی کوئی عہد باندھو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ (قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات میں ایک اسلامی ریاست کو اس بات کا پابند بنا دیا گیا ہے کہ وہ اپنے عہد و پیمانہ کو پورا کرے۔ عہد و پیمانہ کو پورا کرنے کی ایک زریں اور روشن مثال معاہدہ صلح حدیبیہ سے ملتی ہے جس میں فریقین نے اس بات پر رضامندی کا اقرار کیا تھا کہ اگر قریش کا کوئی فرد اپنے سردار کی اجازت کے بغیر مذہب منورہ چلا آئے تو محمد ﷺ اسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے لیکن اگر پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے ساتھیوں میں سے کوئی بھاگ کر مکہ آجائے تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس معاہدے پر عمل پیرا ہونے کی اسلامی پالیسی کا اندازہ اسوہ حسنہ سے ملاحظہ کیجئے:

عن ابی رافع قال بعثنی قریش الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القی فی قلبی الاسلام فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی واللہ لا ارجع الیہا ابدأ قال انی لا اخیس بالعہد ولا احبس البردولکن ارجع فان کان فی نفسک الذی فی نفسک الان فارجع قال فذہبت ثم اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاسلمت. (۶۷)

ابورافع روایت کرتے ہیں کہ مجھے قریش نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ میں نے جب حضور اقدس ﷺ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام اتر گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو اب کبھی ان کے پاس واپس نہ جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں معاہدے میں غداری نہیں کر سکتا اور نہ سفیروں کو قید کر سکتا ہوں تم اس وقت واپس ہو جاؤ۔ پھر اگر تمہارے دل میں یہی جذبہ باقی رہے تو واپس آجانا۔ غرض اس وقت تو میں واپس ہو گیا اس کے بعد دوبارہ آکر اسلام لایا۔

عہد کی پابندی کا ایک اور واقعہ اسوہ نبوی ﷺ سے پیش کیا جاتا ہے:

عن حذیفۃ بن الیمان قال ما منعی ان اشہد بدرا الا انی خرجت انا وابی حیل قال فاخذنا کفار قریش فقالوا انکم تریدون محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا مانریدہ الا المدینۃ فاخذوا منا عہد اللہ وميثاقہ لنصرفن الی المدینۃ ونقاتل معہ فاتینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرناہ الخبر

فقال انصر فانفى لهم بعهدهم ونستعين الله عليهم. (۶۸)

حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے کہ مجھے بدر میں آنے سے کسی چیز نے نہ روکا مگر یہ کہ میں نکلا اپنے باپ حسیل کے ساتھ۔ ہم کو قریش کے کافروں نے پکڑا اور کہا تم محمد ﷺ کے پاس جانا چاہتے ہو۔ سو ہم نے کہا ہم ان کے پاس نہیں جانا چاہتے بلکہ ہم مدینہ میں جانا چاہتے ہیں۔ پھر انہوں نے ہم سے اللہ کا نام لے کر عہد اور اقرار لیا کہ ہم مدینہ کو پھر جاویں گے اور محمد ﷺ کے ساتھ ہو کر نہیں لڑیں گے۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو ہم نے یہ سب قصہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم مدینہ چالے جاؤ ہم ان کا اقرار پورا کریں گے اور ان پر اللہ سے مدد چاہیں گے۔

ایک دفعہ حضرت امیر معاویہؓ بلا دروم پر لشکر کشی کیلئے جا رہے تھے جبکہ ابھی معاہدہ کی مدت باقی تھی۔ حضرت امیر معاویہؓ کا خیال تھا کہ معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی حملہ کر دیا جائے لیکن ایک صحابی عمرو بن عتبہ نے زانہ صلح میں جنگ کی تیاری اور سرحدوں کی طرف فوج کی روانگی کو بھی بدعہدی سے تعبیر کیا اور امیر معاویہؓ کے پاس یہ پکارتے ہوئے پہنچے کہ اللہ اکبر و فاء لا غدر۔ حضرت امیر معاویہؓ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلن عهدا ولا يشدنه حتى يمضى امده او ينذ اليهم على سواء (۶۹)

جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے تا وقتیکہ اس کی مدت گزر نہ جائے یا پھر اگر خیانت کا خوف ہو تو برابر ہی کو ملحوظ رکھ کر اس کو ختم معاہدہ کا نوٹس دے دے۔

قرآن وحدیث سے معاہدات کی پابندی کی اہمیت بیان ہو چکی ہے۔ اسلام میں بدعہدی کی برائی میں بے شمار احادیث موجود ہیں جن کی بنا پر یہ فعل اسلام میں بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

عن عبدالله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اربعة من كن فيه كان منافقاً او كانت فيه خصلة من الاربعة كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها نانا حدث كذب واذا وعدا خلف واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر (۷۰)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ چار خصلتیں ہیں کہ جس میں پائی جائیں گی وہ خالص منافق ہوگا اور ان میں ایک خصلت بھی ہوئی تو وہ نفاق کی علامت ہے جب تک کہ وہ اس کو ترک نہ کر دے جب وہ کوئی بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے جب معاہدہ کرے تو اس کو توڑ دے جب جھگڑے تو گالیاں دے۔

ایک اور حدیث نبی ﷺ ہے:

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لكل غادر لواء يوم القيامة يرفع له بقدر غدزه الا ولا غادر اعظم غدرًا من امير عامه. (۷۱)

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر عہد شکن کا نشان قیامت کے دن اس کی عہد شکنی کے موافق بلند کیا جائے گا۔ خبردار کوئی عہد شکن عہد شکنی کے اعتبار سے امام عام سے بڑا نہیں (یعنی حاکم عام کی عہد شکنی سب سے بڑی عہد شکنی ہے) |

ایفاء معاہدہ کی تاکید کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قیامت کے دن رسول عربی ﷺ بنفس نفیس عدالت خداوندی میں اس شخص کے خلاف مقدمہ دائر کریں گے جس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہوگی۔ یا معاہدین پر کسی قسم کا ظلم یا زیادتی کی ہوگی۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

الا من ظلم معاھدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيئاً بغير طيب نفس فانا حجيجه يوم القيامة. (۷۲)

خبردار جو شخص کسی معاہدہ پر ظلم کرے گا یا ان کے حقوق میں کمی کرے گا یا برداشت سے زیادہ ان پر بار ڈالے گا یا ان کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے گا تو اس کے خلاف میں قیامت کے دن مدعی بن کر دعویٰ دائر کروں گا۔

نقض عہد اور معاہدین پر دست درازی کرنے کی برائی میں بے شمار احادیث آئی ہیں جن کی بناء پر یہ فعل اسلام میں بدترین گناہ ہے۔ عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

من قتل معاھداً لم يرح لائحۃ الجنة وان ريحها ليوجد من مسيرة اربعين

عاماً (۷۳)

جو کوئی کسی معاہدہ کو قتل کرے گا اسے جنت کی بوتل نصیب نہ ہوگی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔

اسلام میں معاہدہ توڑنے کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ فریق ثانی معاہدہ کی شرائط کو پورا نہ کرے دوسرے یہ کہ اس معاہدے سے کچھ بنیادی اسلامی قدریں مجروح ہو رہی ہوں۔ ان دونوں صورتوں میں معاہدہ فسخ کرنے کا حکم ہے۔ پہلی صورت کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

الذین عہدت منہم ثم ینقضون عہدہم فی کل مرۃ وہم لا یتقون۔
فاماتقنہم فی الحرب فشرد بہم من خلفہم لعلہم یدکروں۔ واما تخافن
من قوم خیانة فانبذ الیہم علی سوا۔ ان اللہ لا یحب الخائنین۔ (۷۴)

جن لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا ہے پھر وہ اسے بار بار توڑ دیتے ہیں اور وہ معاہدہ توڑنے میں ذرہ ڈرتے نہیں تو آپ اگر جنگ کی حالت میں ان پر قابو پالیں تو اقدام کر کے ان لوگوں کو بھی جو ان کے مددگار ہیں منتشر کر دیجیئے۔ شاید یہ لوگ اس اقدام سے کچھ نصیحت حاصل کریں۔ اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت یعنی بد عمدی کا قومی اندیشہ ہو تو اس معاہدہ کو اس طرح واپس کر دیجیئے کہ وہ اور آپ اس میں برابر ہو جائیں اللہ تعالیٰ بد عمدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسری صورت کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدہم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا انما الکفر
انہم لا ایمان لہم لعلہم ینتہون۔ (۷۵)

اگر وہ معاہدہ کرنے کے بعد اپنی قسموں یعنی معاہدوں کو توڑ دیں اور تمہارے دین کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تو آئمہ کفر سے آپ جنگ کیجیئے کیونکہ اب ان کا معاہدہ باقی نہیں رہا عجب نہیں کہ اپنی حرکات سے باز آجائیں۔

اس صورت میں اسلامی ریاست کو اجازت ہے کہ وہ معاہدے کو ختم کر دے لیکن ضروری ہے کہ وہ اپنے اس فیصلے سے فریق ثانی کو فوراً آگاہ کر دے۔

قرآن وحدیث کے ان اصولوں پر سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ

معاهدات کے ایذا اور ان کی تنسیخ کے متعلق اسلام کے یہ اصول و ضوابط بین الاقوامی خیر سگالی اور امن و سلامتی کی فضا قائم رکھنے میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کے ان اصول و معاهدات کا موازنہ دور حاضر کی ترقی یافتہ اقوام کے معاهدات سے کریں تو یہ راز کھل جاتا ہے کہ ان اقوام کے معاهدات کمزور اور پسماندہ اقوام کے حقوق کی حفاظت کے بجائے ان پر مزید بوجھ ڈالنے کے مترادف ہیں۔

۱۔ غیر مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات کی نوعیت

ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہونے کی حیثیت سے اسلامی ریاست غیر مسلم ریاستوں سے تعلقات استوار کرنے میں اپنے نظریات سے کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتی چنانچہ مسلم ریاست اور غیر مسلم ریاست کے درمیان تعلقات کی نوعیت کے متعلق اسلام ایک جامع دستور رکھتا ہے۔ قرآن مجید ان تعلقات کو بڑے مدلل انداز میں واضح کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروہم وتقسطوا الیہم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاہروا علی اخراجکم ان تولوہم ومن یتولہم فاولئک ہم الظالمون (۷۶)

(اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ایسے لوگوں سے جو دوستی کریں گے وہی ظالم ہوں گے)

پہلی آیت میں ان غیر مسلمین کے ساتھ عدل و انصاف اور حسن سلوک کی ترغیب دی گئی ہے جو مسلمانوں کے دشمن یا ان سے برسر پیکار نہ ہوں ایسے غیر مسلموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ حسن سلوک اور عدل و انصاف کرنے سے نہیں روکتا۔ مسلمانوں کے لئے ہرگز یہ روا نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے صرف اس بناء پر مقاتلہ کریں کہ وہ مذہب اور دین میں ان کے مخالف

ہیں۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات سے روکتا ہے جو مسلمانوں کے خلاف برسرِ جنگ ہوں اور ان کے خلاف جارحیت کریں۔ مسلمانوں کو قتال و جدال کی اجازت صرف اس صورت میں دی گئی ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں پر زیادتی کریں اور ان کے حقوق پامال کریں یا دعوتِ اسلام کی راہ میں حائل ہوں۔ ایسی صورت ہو تو بے شک قتال و جدال واجب ہے تاکہ ظلم و زیادتی کا استیصال ہو جائے اور دعوتِ اسلامیہ کا راستہ صاف ہو جائے۔

اسلام جہاں اپنے مخالفین کے ساتھ خواہ وہ بت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہو عدل اور حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے۔ وہاں وہ اہل کتاب کے ساتھ خصوصی رعایت بھی برتتا ہے کیونکہ وہ اصلاً آسمانی کتاب سے تعلق رکھتے ہیں لہذا ان کے اور مسلمانوں کے درمیان رشتہ اور قرابت ہے یعنی اس دینِ واحد کے اصولوں میں اتفاق ہے جو تمام انبیاءِ علیہم السلام کا دین رہا ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (۷۷)

(اس نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح ﷺ کو دیا تھا اور جس کو تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم نے ابراہیم ﷺ، موسیٰ اور عیسیٰ ﷺ کو کی تھی کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔

اسلام نے اہل کتاب کے ساتھ کھانے میں شریعت اور ان کا ذبیحہ کھانے کی اجازت دی ہے اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ اسلام کا روادارانہ سلوک اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے خصوصاً نصاریٰ کو تو اسلام نے مسلمانوں کے دلوں میں بہت جگہ دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَتَجِدَنَ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ذَلِكَ بَأْنٍ مِنْهُمْ قَسِيصِينَ وَرَهْبَانًا وَأَنْهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (۷۸)

(تم ایمان لانے والوں کی دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں یہ اس وجہ سے کہ ان میں عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے)

غیر مسلمین سے موالات کے تعلقات کی نوعیت

(قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کا تعلق پیدا کرنے اور انہیں اپنا حلیف اور دوست بنانے کی ممانعت کے احکام موجود ہیں جس سے فوراً ذہن میں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ فترى الذين فى قلوبهم مرض يسارعون فىهم (۷۹)

(اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان کو اپنا دوست بنائے گا تو اس کا شمار بھی ان ہی میں ہے اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ ان ہی میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی جن آیات میں موالات سے منع کیا گیا ہے ان کا تعلق دراصل ایسے لوگوں سے ہے جو اسلام کے دشمن اور مسلمانوں سے برسر جنگ ہوں۔ ان کی مدد کرنا اور پشت پناہی کرنا، انہیں رازدار بنانا اور ملی مفاد کے خلاف انہیں اپنا حلیف بنا کر ان کی قربت حاصل کرنا کسی مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةَ مَنْ دُونَكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خِيَالًا. وَدُوْمَا عَنَّم. قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيْنَالَكُمْ الْآيَاتِ أَنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ هَاتِمٌ أَوْلَا تَحِبُّونَهُمْ وَلَا يَحِبُّونَكُمْ (۸۰)

(اے ایمان والو! اہل ایمان کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھیں گے جو بات تمہارے لئے باعث زحمت ہو وہ ان کو محبوب ہے ان کا بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے ہم نے اپنے احکام واضح کر دیئے ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو یہ تم ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔)

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے:

لا يتخذ المؤمنون الكافرين اوليا من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيى الا ان تتقوا منهم تقاة ويحذرکم اللہ نفسه والی اللہ المصیر (۸۱)

(مؤمنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست ہرگز نہ بنائیں جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہاں یہ معاف ہے کہ تم ان کے ظلم سے بچنے کیلئے بظاہر ایسا طرز عمل اختیار کر جاؤ مگر اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

کفار کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کے ضمن میں مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"یہ مضمون بہت سی آیات قرآنیہ میں مجمل اور مفصل مذکور ہے جس میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ موالات و دوستی اور محبت سے شدت کے ساتھ روکا گیا ہے ان تصریحات کو دیکھ کر حقیقت حال سے ناواقف غیر مسلموں کو تو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب میں غیر مسلموں سے کسی قسم کی رواداری اور تعلق کی بلکہ حسن اخلاق کی بھی کوئی گنجائش نہیں اور دوسری طرف اس کے مقابل جب قرآن کی بہت سی آیات اور رسول کریم ﷺ کے ارشادات اور عمل سے خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے تعامل سے غیر مسلموں کے ساتھ احسان و سلوک اور ہمدردی و غمخواری کے احکام اور ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں جن کی مثالیں دنیا کی اقوام میں ملنا مشکل ہیں تو ایک سطحی نظر رکھنے والے مسلمان کو بھی اس جگہ قرآن و سنت کے احکام و ارشادات میں باہم تعارض اور تضاد محسوس ہونے لگتا ہے مگر یہ دونوں خیال قرآن کی حقیقی تعلیمات پر طائرانہ نظر اور ناقص تحقیق کا نتیجہ ہوتے ہیں اگر مختلف مقامات سے قرآن کی آیات کو جو اس معاملہ سے متعلق ہیں جمع کر کے غور کیا جائے تو نہ غیر مسلموں کے لئے وجہ شکایت باقی رہتی ہے نہ آیات و روایات میں کسی قسم کا تعارض باقی رہتا ہے۔ اس لئے اس مقام کی پوری تشریح کر دی جاتی ہے جس سے موالات اور احسان و سلوک یا ہمدردی و غمخواری میں باہمی فرق اور ہر ایک کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی اور یہ بھی کہ ان میں کونسا درجہ جائز ہے کونسا ناجائز اور جو ناجائز ہے اس کی وجوہ کیا ہیں؟ بات یہ ہے کہ دو شخص یا دو جماعتوں میں تعلقات کے مختلف درجات ہوتے ہیں ایک درجہ تعلق کا قلبی موالات یا دلی محبت و موادت ہے یہ صرف مؤمنین کے ساتھ

مخصوص ہے غیر مومن کے ساتھ مومن کا یہ تعلق کسی حال میں قطعاً جائز نہیں۔
دوسرا درجہ مواسات کا ہے جس کے معنی ہیں ہمدردی وغیر خواہی اور نفع رسانی کے
یہ بجز کفار اہل حرب کے جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ
جائز ہے

تیسرا درجہ مدارات کا ہے جس کے معنی ہیں ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ کے
یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے جبکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ
اپنے مہمان ہوں یا ان کے شر اور ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو۔ سورۃ آل
عمران کی آیت مذکورہ میں "الا ان تتقوا مستمم تقاة" سے یہی درجہ مدارات کا مراد ہے یعنی
کافروں سے موالات جائز نہیں مگر ایسی حالت میں جبکہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو اور چونکہ
مدارات میں بھی صورت موالات کی ہوتی ہے اس لئے اس کو موالات سے مستثنیٰ قرار دیا
گیا ہے۔

چوتھا درجہ معاملات کا ہے کہ ان سے تجارت یا اجرت و ملازمت اور صنعت و حرفت
کے معاملات کیے جائیں یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔ بجز ایسی حالت کہ ان
معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور
دوسرے صحابہ کا تعامل اس پر شاید ہے۔ فقہانے اسی بنا پر کفار اہل حرب کے ہاتھ اسلحہ
فروخت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے باقی تجارت وغیرہ کی اجازت دی ہے اور ان کو اپنا ملازم
رکھنا یا خود ان کے کارخانوں اور اداروں میں ملازم ہونا یہ سب جائز ہے۔

اس تفصیل سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ قلبی اور دلی دوستی و محبت تو کسی کافر کے
ساتھ کسی حال میں جائز نہیں اور احسان و ہمدردی و نفع رسانی بجز اہل حرب کے اور سب کے
ساتھ جائز ہے۔ اسی طرح ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ بھی سب کے ساتھ جائز ہے جبکہ
اس کا مقصد مہمان کی خاطر داری یا غیر مسلموں کو اسلامی معلومات اور دینی نفع پہنچانا یا اپنے
آپ کو ان کے کسی نقصان و ضرر سے بچانا ہو (۸۲)

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک اسلامی ریاست غیر مسلم
ریاستوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے میں اسلام کے اصول و نظریات پر عمل پیرا ہونے
کی پابند ہے وہ غیر مسلم ریاستوں سے اس طرح کے معاملات نہیں رکھ سکتی جس سے خود

اس کے اپنے مفادات یا کسی دوسری اسلامی ریاست کے مفادات مجروح ہوتے ہوں۔ چنانچہ اس بحث کی روشنی میں چند مسائل کی وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ مسائل یہ ہیں کہ ایک اسلامی ملک دوسرے اسلامی ملک کے خلاف ایک غیر مسلم اتحادی کے ساتھ ہو کر جنگ میں شمولیت کر سکتا ہے جیسا کہ عراق کویت لڑائی میں امریکہ کے ساتھ سعودی عرب اور پاکستان نے عراق خلاف صف آرائی کی۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان معاہدہ عدم جارحیت کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان تجارتی تعلقات کو فروغ دینے کی شرعی گنجائش اور اجازت ہے یا نہیں۔

عراق کویت جنگ میں امریکی مداخلت اور سعودی عرب اور پاکستان کا کردار چند سال پہلے عراق نے ایک خود مختار اسلامی ریاست کویت پر جارحانہ حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لیا۔ جس پر مملکت سعودیہ نے امریکہ اور پاکستان سے مدد کی درخواست کی۔ سعودی حکومت کی اس درخواست پر امریکہ اور پاکستان نے عراق کے خلاف سعودی حکومت کی مدد کی۔ چنانچہ دیکھنا یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست دوسرے اسلامی ملک کے خلاف غیر مسلم ریاست سے مدد کی درخواست کر سکتی ہے۔ علاوہ ازیں نزاع اور لڑائی دو اسلامی ملکوں کے درمیان ہو تو تیسرے اسلامی ملک کا کیا کردار ہونا چاہیے۔

عراق کویت جنگ کے سلسلے میں ہر ذی عقل شخص سمجھتا ہے کہ عراق نے تمام اخلاقی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے کویت پر جارحانہ قبضہ کر کے زیادتی کا ارتکاب کیا۔ چنانچہ جب دو مسلمان ریاستیں آپس میں لڑیں تو تیسری اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ وہ ان میں مصالحت کرائے۔ جب کوئی فریق نہ مانے اور زیادتی پر آمادہ ہو تو پھر مظلوم کا ساتھ دینا چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وان طائفتم من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما . فان بغت احداہما علی الاخری . فقاتلوا التی تبغی حتی تنفیء الی امر اللہ . (۸۳)

اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرادو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے۔

قرآن مجید کے علاوہ حدیث نبوی ﷺ بھی ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنے کیلئے مجبور کرو یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاظرنہ علی الحق اطراً ولتقصرنہ علی الحق
 قصراً او لیضربن اللہ بقلوب بعضکم علی بعض. (۸۴)

اور تم ضرور ظالم کے ہاتھ کو پکڑو گے اور اس کو حق پر مائل کرو گے اور ان کو حق پر روکو گے۔
 یا اللہ تعالیٰ تمہارے بعض کے دلوں کو بعض پر مارے گا۔

قرآن و حدیث کے ان احکام کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عراق کو بیت جگڑے کے تصفیے کیلئے ضروری تھا کہ کوئی بھی اسلامی ملک ثالثی کردار سے مصالحت کرانا اور مصالحت نہ ہونے کی صورت میں تمام اسلامی ملک ظالم کے خلاف متحد ہو کر مقابلہ کرتے اور اسے حق کی طرف مراجعت کرنے کیلئے مجبور کرتے لیکن ایسی کوئی کوشش نہ کی گئی بلکہ ایک غیر مسلم ملک امریکہ کو براہ راست جنگ کا فریق بنا کر عراق کے خلاف صف آرا کیا گیا۔ یوں یہ جنگ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کی شکل اختیار کر گئی۔ امریکہ نے عراق کے خلاف جنگ کا مرکزی کردار ادا کرتے ہوئے سعودی عرب، پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کو اپنے برادر ملک کے ساتھ لڑایا لیکن افسوس کہ اس نازک صورت حال میں اسلامی ملک اپنے برادر اسلامی ملک کا اس حدیث نبوی ﷺ کے بموجب ساتھ دیتے:

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ. (۸۵)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے۔

پاک بھارت عدم جارحیت معاہدہ کی شرعی حیثیت

گزشتہ پچاس سالوں کے دوران پاکستان اور بھارت کے درمیان دو بڑی جنگیں بھی لڑی گئیں ہیں ارو ہنوز ان کے درمیان کشمیر کا تصفیہ طلب مسئلہ ابھی باقی ہے۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً دونوں ممالک کی طرف سے معاہدہ عدم جارحیت کی بات چیت کی جاتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس معاہدہ کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر معلوم کیا جائے۔

معاہدات امن و صلح کے سلسلے میں فقہاء نے کتاب و سنت کی روشنی میں یہ ایک سوال

اٹھایا ہے کہ کیا کسی دشمن یا دوست ملک یا قوم سے دائمی معاہدہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ زیادہ تر فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ اہل کفر اور اہل شرک سے دائمی معاہدہ صحیح نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ بھی اسی خیال کے حامی ہیں۔ وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنین (آل عمران)
اور نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غمگین ہو تمہی بلند رہو گے اگر تم مومن بن کر رہے۔

مطلب یہ ہے کہ صلح بجائے خود ایک کمزوری کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ مومنین کو مستقل طور پر اس صورت میں رکھنا پسند نہیں کرتے۔ پھر اس لئے بھی یہ صحیح نہیں ہے کہ آئندہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے فروغ کے نقطہ نظر سے اس معاہدہ کو ختم کرنا ضروری معلوم ہو تو پھر معاہدہ شکنی کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگر مطلق دائمی معاہدہ کر لیا جائے تو مستقل طور پر جہاد کے ترک کے مترادف ہوگا۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

لا تجوز المهادنة مطلقا من غير تقدير مدة لانه يفضى الى ترك الجهاد بالكلية (۸۶)

بغیر کسی مدت کی تعیین کے مطلق معاہدہ صلح کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ ایسا معاہدہ بالکل جہاد کو ختم کر دینے کے مترادف ہے۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کا رجحان اسی طرف ہے۔

فقہاء کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ دائمی معاہدہ قرآن پاک کے منشاء اور حضور ﷺ کے تعامل کے مطابق ہے کیونکہ اسلام میں اصل چیز تو امن ہے جنگ کسی شرعی ضرورت کی بنا پر کی جاتی ہے۔ یہ حضرات قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

فان اعتزلوكم والقوا اليكم السلم فما جعل الله لكم عليهم سبيلاً (النساء)
اگر وہ تم سے جنگ سے باز آجائیں اور امن و صلح کی پیش کش کریں تو اب تمہارے لئے ان کے خلاف جنگ کا کوئی راستہ اللہ نے نہیں رکھا ہے۔

یہ حضرات پہلی آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں لیکن ان کے پاس نسخ کی کوئی دلیل نہیں ہے اور منسوخ ماننے کی ضرورت بھی نہیں ہے اس کا موقع و محل جدا ہے یعنی حالت جنگ کا وہ حکم ہے اور یہ مستقل صورت کا بیان ہے۔ امام ابوحنیفہ بھی اسی رائے کے قائل ہیں کہ اگر امام مصلحت سمجھتا ہے تو وہ مطلق اور دائمی معاہدہ بھی کر سکتا ہے اور مقید اور عارضی

بھی اگر داسی معاہدہ کو توڑنے کا معقول سبب ہو تو وہ فریق ثانی کو اس سے مطلع کر کے اسے توڑ سکتا ہے۔ (۸۷)

پاکستان اور بھارت کے درمیان معاہدہ عدم جارحیت تنازعہ کشمیر کے حل تک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس طرح مقبوضہ کشمیر کے حریت پسندوں کو زبردست نقصان پہنچے گا۔ دونوں ممالک کے درمیان اس طرح کے معاہدہ کے انعقاد سے مجاہدین کی مشکلات میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ یہ معاہدہ مستقل طور پر جہاد کے ترک کرنے کے مترادف ہوگا۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان تجارت کو فروغ دینے کا معاہدہ:

اسلام آزاد تجارت کا حامی ہے۔ وہ ہر شخص کو اجازت دیتا ہے کہ وہ انفرادی یا اجتماعی طور پر جس مملکت میں چاہے تجارت کیلئے جائے خواہ وہ دوست ملک کا باشندہ ہو یا دشمن ملک کا۔ البتہ حالت جنگ میں یا تو وہ کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے یا پھر یہ کہ کوئی سودی کاروبار کرنے لگے تو اس کی اجازت نہیں ہوگی یا پھر اسلام کی حلال و حرام کی کوئی مستقل قید ٹوٹ رہی ہو مثلاً جنگ کی حالت میں اسلحہ کی خرید و فروخت پر پابندی ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں اہل حرب کے ساتھ تجارت کی صراحت کچھ یوں ہے:

امام محمد نے فرمایا کہ مضائقہ نہیں کہ مسلمان تاجر اہل حرب کے یہاں چاہے جو چیز لے جائے سوائے کراع و سلح کے اور اگر حربیوں کے ہاں کچھ نہ لے جائے تو میرے نزدیک پسندیدہ تر ہے۔ شیخ الائمہ سرخسی نے شرح سیر کبیر میں فرمایا ہے کہ کراع سے مراد ہر طرح کے گھوڑے، خچر، گدھے، اونٹ اور مال لادنے کے بیل ہیں اور تمام جنس سلح ہے خواہ خرد ہو یا کلاں۔ اسی طرح جس لوہے سے ہتھیار بنائے جاتے ہیں اس کا بھرت کر کے دارالحرب میں لے جانا مکروہ ہے۔ اسی طرح حریر و دہباج اور قز جو غیر معمولی ہو تو اس کا لے جانا بھی مکروہ ہے۔ بیتل اور کانہ اہل حرب کے یہاں لے جانے میں مضائقہ نہیں ہے اور یہی حکم قلعی کا ہے اس واسطے کہ غالباً ان کا استعمال ہتھیاروں میں نہیں ہوتا اور اگر وہ لوگ غالب ہتھیار اپنے اس سے بناتے ہوں تو ان میں سے کسی چیز کا ان کے یہاں لے جانا حلال نہیں ہے اور زندہ پرندوں یا مذبوہ کا مع بازوں کے اہل حرب کے یہاں لے جانا روا نہیں اس واسطے کہ غالباً ان کے بازو کے پروں سے نشاب و نیل کی ڈنڈھی لگائی جاتی ہے اور اگر

عقاب کے بازوں کے پروں سے ایسا کیا جاتا ہو تو اس کا بھی اس طور سے داخل کرنا روا نہیں ہے اور اگر وہ شکار ہی کے واسطے اس ملک میں جاتے ہوں تو ان کا وہاں لے جانا روا ہے اور باز و صقر کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر مسلمان نے امان لے کر دار الحرب میں تجارت کے واسطے جانے کا قصد کیا حالانکہ اس کے ساتھ اس کا گھوڑا اور ہتھیار ہیں کہ جس کو اہل حرب کے ہاں فروخت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا ہے تو اس کے ساتھ لے جانے سے منع نہ کیا جائے گا لیکن یہ اس وقت ہے کہ یہ معلوم ہو کہ اہل حرب اس سے ان چیزوں کے واسطے کچھ معترض نہ ہوں گے اسی طرح باقی سواری کے جانوروں کا بھی یہی حکم ہے لیکن اگر یہ تاجر ان چیزوں میں سے کسی چیز کی نسبت مستم ہو کہ ان کے ہاتھ بیچنے کے واسطے لے جاتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی قسم لی جائے گی کہ میں بیع کے واسطے ان چیزوں کو نہیں لے جاتا ہوں اور فروخت نہ کروں گا یہاں تک کہ اس کو دار الحرب سے دار السلام میں نکال لوں الا بوجہ ضرورت و سختی پیش آنے کے۔ پس اگر اس نے اس طو پر قسم کھالی تو تہمت مذکور اس کے ذمہ سے دور ہو جائے گی اور دار الحرب میں لے جانے دیا جائے گا اور اگر اس نے قسم نہ کھائی تو ان میں سے کوئی چیز دار الحرب میں نہ لے جانے پائے گا اور روکا جائے گا۔ اس طرح اگر دریا کی راہ سے مال تجارت کشتی میں بھر کر لے جانا چاہا تو بھی یہی حکم ہے۔ (۸۸)

اسلام تجارت میں ایسے طریقے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا جس سے ذخیرہ اندوزی کی صورت پیدا ہو۔ تجارتی ٹیکس لگانے کی اسلام اجازت دیتا ہے لیکن ایسا ٹیکس جو اخلاق کے منافی اور ظلم کی حد تک پہنچتا ہو اس کی اجازت نہیں دیتا۔ عہد نبوی ﷺ اور عہد صدیقی میں کوئی تجارتی ٹیکس اسلامی سلطنت میں نہیں لیا جاتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں جب مسلمان تاجر دوسرے ممالک میں تجارت کی غرض سے جاتے تھے تو غیر ممالک ان سے ٹیکس وصول کرتے تھے جس پر آپؐ نے اسلامی ریاست میں آنے والے تاجروں پر ٹیکس عائد کیا۔ چنانچہ امام ابو یوسف لکھتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عمر بن الخطابؓ کو لکھا کہ "ہمارے ملک کے مسلمان تاجر جب حربی علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ لوگ ان سے دسواں حصہ وصول کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں انہیں یہ لکھا کہ تم بھی ان سے اسی طرح (عشر) وصول کرو جس

طرح وہ مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔ ذمیوں سے بیسواں حصہ لیا کرو اور مسلمانوں سے ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم وصول کرو۔ دوسو درہم سے کم پر کچھ نہ لو۔ مال دوسو کا ہو تو اس میں سے پانچ درہم لو۔ اس سے زیادہ ہو اسی حساب سے وصول کرو۔ (۸۹)

حضرت عمرؓ کے دور میں یہ ٹیکس ایک ظلم کے انسداد کیلئے لیا گیا تھا اس سے بندگان خدا کی نقل و حرکت پر پابندی عائد کرنی مقصود نہیں تھی چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ وصاحت بھی کردی کہ اگر وہ ٹیکس لینا چھوڑیں تو

ونحن احق بمکارم الاخلاق

تو ہم مکارم اخلاق کی طرف سب سے پہلے سبقت کریں گے۔

اگر بفرض محال کوئی غیر مسلم حکومت کسی اسلامی ملک کے باشندے کا کل مال تجارت ٹیکس میں لے لے تو بھی اس ملک کے تاجروں کے ساتھ یہ سلوک اسلامی ملک میں نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ "لانہ خدر" یہ ایک طرح کی بد عہدی اور فریب دہی ہے وہ کریں تو کریں ہم نہیں کر سکتے۔ (۹۰)

ان تمام تفصیلات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی ریاست بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں اسلام کے عالمگیر اصولوں کی پابند ہوتی ہے۔ ان اصولوں کی خلاف ورزی وہ کبھی بھی نہیں کر سکتی جبکہ ایک غیر اسلامی ریاست کسی اصول اور نظریے کی پابند نہیں ہوتی بلکہ وہ بین الاقوامی تعلقات میں اپنی خواہشات کی پیروی کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱. اسلامی نظریہ حیات ، مؤلفہ خورشید احمد ص: ۴ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی کراچی.
۲. سورة الحج: ۴۱
۳. سورة الحديد: ۲۵
۴. سورة المائدة: ۴۴
۵. سورة الاعراف: ۳
۶. سورة يوسف: ۴۰
۷. سورة آل عمران: ۱۵۴
۸. مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست ص: ۳۶۷، اسلامک پبلیکیشنز ، لاہور
۹. شیخ محمد الخضریٰ، اصول الفقہ ص: ۱۹، المكتبة التجارية الكبرى، مصر
۱۰. خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات ص: ۴۷۹
۱۱. ایضاً ص: ۴۸۳
۱۲. زاہد حسین انجم، پاکستان کی خارجہ پالیسی ص: ۱۵، نیو بک پبلش لاہور.
۱۳. ایضاً ص: ۲۵
۱۴. مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۲، باب المفاخرۃ والعصیۃ ص: ۵۰۰، مطبع سعیدی قرآن محل کراچی.
۱۵. مولانا شبلی نعمانی ، سیرۃ النبی، ج: ۲ ص: ۱۵۸، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد.
۱۶. سورة الاحزاب: ۱
۱۷. سورة الاحزاب: ۴۸
۱۸. ابن ہشام ، السیرۃ النبویۃ، الجز الثانی ص: ۱۴۷، مطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر.

۱۹. ایضاً: ۱۳۹
۲۰. ایضاً: ۱۳۹-۱۵۰
۲۱. ابن قیم ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ، الجز الثانی
ص: ۱۲۴، داراحیاء التراث العربی ، بیروت، لبنان
۲۲. ایضاًص: ۱۳۴-۱۳۵
۲۳. زاہد حسین انجم، پاکستان کی خارجہ پالیسی ص: ۲۲-۲۳ ،
نیو بک پبلش لاہور.
۲۴. سورۃ آل عمران: ۶۳
۲۵. سورۃ سبا: ۲۸
۲۶. سورۃ الاعراف: ۱۵۸
۲۷. ابن اثیر، تاریخ الکامل، ج: ۲ ص: ۶۱، دارصادر للطباعہ
والنشر، بیروت
۲۸. پروفیسر محمد صدیق، رسول اکرم کی سیاست خارجہ ص: ۳۱
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ پبلیشرز
۲۹. سورۃ آل عمران: ۱۰۴
۳۰. فتح القدیر للشوکانی ج: ۱ ص: ۳۳۸، بحوالہ معروف ومنکر ،
سید جلال الدین عمری، ص: ۲۶، اسلامک پبلیکیشنز لاہور.
۳۱. سورۃ الحجرات: ۱۸
۳۲. شاہ ولی اللہ، حجة اللہ البالغہ (اردو) ص: ۲۷۰، دارالاشاعہ
کراچی.
۳۳. سورۃ الانعام: ۱۵۳
۳۴. سورۃ آل عمران: ۱۰۳
۳۵. شاہ ولی اللہ، حجة اللہ البالغہ، ص: ۲۷۰
۳۶. صحیح مسلم شریف مع شرح نوادی، ج: ۶ ، کتاب البر والصلۃ
والادب ص: ۲۲۱ خالد احسان پبلیشرز، لاہور
۳۷. صحیح بخاری شریف، ج: ۳، باب تعاون المومنین بعضهم
بعضاً، ص: ۳۶۸ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی.
۳۸. سورۃ النساء: ۷۵

۳۹. سورة الانفال: ۷۲
۴۰. مولانا مودودی، اسلامی ریاست ص: ۶۷۱-۶۷۲
۴۱. سورة المائدہ: ۳۲
۴۲. سورة الانفال: ۶۱
۴۳. جامع ترمذی، ج: ۱، ابواب الاحکام، ص: ۶۱۴، مطبع سعیدی
قرآن محل کراچی
۴۴. فتاوی عالمگیری مترجم سید امیرعلی مرحوم، ج: ۳ کتاب
السير ص: ۳۴۸، حامد اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور.
۴۵. مفتی محمد شفیع، جواہر الفقہ، ج: ۲ ص: ۲۰۱، مکتبہ
دارالعلوم کراچی.
۴۶. سورة النساء: ۵۸
۴۷. سورة المائدہ: ۸
۴۸. سورة آل عمران: ۱۸
۴۹. سنن نسائی، ج: ۳، کتاب ادب القضاة ص: ۴۵۰، حامد اینڈ
کمپنی پبلیشرز، لاہور
۵۰. مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول
وتصورت، ص: ۴۲، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور.
۵۱. سورة البقرہ: ۱۹۴
۵۲. سورة النحل: ۱۲۶
۵۳. سورة الشوری: ۴۰
۵۴. مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۲، باب الرفق والحیاء، وحسن الخلق
ص: ۵۲۲
۵۵. ایضاً، باب الغضب والكبر ص: ۵۴۶
۵۶. سورة النساء: ۱
۵۷. سورة یونس: ۱۹
۵۸. سورة المومنون: ۵۲
۵۹. مشکوٰۃ المصابیح، ج: ۲، باب الشفقة والرحمة علی الخلق،
ص: ۵۲۲

۶۰. سورة المائدة: ۲
۶۱. صحيح بخارى شريف، ج: ۳، كتاب الاكراه ص: ۶۸۸
۶۲. مشكوة المصابيح، ج: ۲، باب المفاخره والعصية ص: ۴۳۵،
مكتبه رحمانيه لاہور.
۶۳. ايضاً
۶۴. سورة المائدة: ۱
۶۵. سورة بنى اسرائيل: ۳۴
۶۶. سورة النحل: ۹۱
۶۷. مشكوة المصابيح، ج: ۲، باب الامان ص: ۳۰۵، مطبع سعیدی
قرآن محل کراچی.
۶۸. صحيح مسلم شريف مع شرح نووى ج: ۵، كتاب الجهاد
والسير ص: ۶۷
۶۹. مشكوة المصابيح، ج: ۲، الامان، ص: ۳۰۴
۷۰. سنن نسائى، ج: ۳، كتاب الايمان وشرالعه ص: ۳۷۶، حامد
اينڈ کمپنى پبليشرز لاہور.
۷۱. صحيح مسلم شريف شرح نووى ج: ۵، كتاب لجهاد السير، ص: ۵
۷۲. مشكوة المصابيح، ج: ۲، باب الصلح، ص: ۳۲۶
۷۳. ابن حجر عسقلانى، بلوغ المرام، باب الجزية والهدنة،
ص: ۲۷۲، نورمحمد اصح المطابع كتب آرام باغ، کراچی.
۷۴. سورة الانفال: ۵۸.۵۶
۷۵. سورة التوبه: ۱۲
۷۶. سورة الممتحنه: ۹.۸
۷۷. سورة الشورى: ۱۳
۷۸. سورة المائدة: ۸۲
۷۹. سورة المائدة: ۵۲.۵۱
۸۰. سورة آل عمران: ۱۱۸
۸۱. سورة آل عمران: ۲۸

۸۲. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد دوم ص: ۵۱.۵۰،
ادارة العارف کراچی
۸۳. سورة الحجرات: ۲۸
۸۴. مشکوٰۃ المصابیح، جلد دوم، باب الامر بالمعروف ۴۸۳،
مکتبه رحمانیہ، لاہور.
۸۵. ایضاً باب الشفقة والرحمة على الخلق ص: ۴۴۶
۸۶. المغنی لابن قدامہ جلد ۲: ص: ۴۵۹ بحوالہ اسلام کے بین
الاقوامی اصول و تصورات، مؤلفہ مولانا مجیب اللہ ندوی
ص: ۱۱۴.۱۱۵، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور.
۸۷. مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول
و تصورات، ص: ۱۱۵.۱۱۶
۸۸. فتاوی عالمگیری (مترجم) مولانا سید امیر علی مرحوم، ج: ۳
ص: ۴۱۷، حامد اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور.
۸۹. اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج لامام ابو یوسف
مترجم محمد نجات اللہ صدیقی ص: ۶۰۴، مکتبه چراغ راہ کراچی.
۹۰. مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلام کے بین الاقوامی اصول
و تصورات، ص: ۱۶۰.۱۶۱